قصیدۂ عطا

سراج الحق

ادارۂ انیس اردو۔ الہ آباد ۳

سلسلۂ مطبوعات الہ آباد لٹریری و کلچرل ایسوسی ایشن الہ آباد

قصیدۂ عطارؒ

مع

ترجمۂ منظومہ و تحشیۂ مفیدہ

از

محمد سراج الحق مچھلی شہری

سابق پروفیسر عربی و فارسی گورنمنٹ کالج۔ الہ آباد

ادارۂ انیس اردو۔ الہ آباد

دور حاضر میں نشر و اشاعت کی دشواریوں میں جس قدر اضافہ ہوا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن نامناسب حالات کے باوجود ادارہ "انیس اُردو" الہ آباد نے آنے والی نسلوں کے ادبی اور علمی شعور کو مد نظر رکھتے ہوئے پُورے بھروسے کے ساتھ تالیف و تصنیف اور اعلیٰ معیاری اور تعمیری ادب کی نشر و اشاعت کی اہم ذمہ داری اپنے سر لی ہے اور ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ ہماری کوششیں کامیاب ہوں گی۔

ہمیں یقین ہے کہ جس حُسن نیت سے اس ادارہ نے اس سلسلہ کا آغاز کیا ہے اسی وسعت قلب سے ہماری ہمت افزائی بھی کی جائے گی۔

سکریٹری نشر و اشاعت

ادارہ "انیس اُردو"

الہ آباد

تقریظ

(از عالم اجل مفتی اعظم مولینا الحاج مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی)

حضرت شیخ عطار کا قصیدہ رائیہ جو مسئلہ وحدۃ الوجود سے متعلق ہے اسکے متعلق تو مجھ جیسے ناکارہ وآوارہ کو لب کشائی کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ جو شخص شیخ کے مقام رفیع سے کوئی مناسبت نہ رکھتا ہو وہ حقیقت یہ ہے کہ انکے کلام کی پوری حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔

ہمارے محترم مولانا سراج الحق صاحب نے کمال کیا کہ اس دشوار گذار وادی میں قدم رکھا، اور وہ بھی نظم فارسی کا ترجمہ نظم اردو میں فرمایا اور ماشاءاللہ ترجمہ کی حیثیت سے بہترین فرمایا ہے۔ اور بڑا کام یہ کیا کہ شیخ کے کلام کے وہ حصے جو ظواہر شریعت کے مطابق نظر نہیں آتے انکی توجیہات بھی کر دی۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود رائے احقر کی یہ ہے کہ اس قسم کی کتابوں کی اشاعت وترویج اور نااہل لوگوں تک اسکا پہونچانا نفع سے زیادہ نقصان اور گمراہی کا موجب ہو سکتا ہے ان مضامین کو صرف اس طبقہ تک محدود رکھا جائے جس کو حضرت شیخ کے مقام بلند سے کوئی حصہ ملا ہے۔ عوام میں اسکی اشاعت بجز گمراہی کے کچھ نتیجہ نہ پیدا کریگی۔

ہمارے بزرگوں کا مسلسل یہی عمل رہا ہے کہ اس قسم کے رسائل کی اشاعت کو پسند نہیں فرمایا۔ باقی یہ مجھ نااہل بے علم کی رائے ہے دوسرے اکابر سے بھی مشورہ فرمایا جائے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

(بندہ محمد شفیع عفی عنہ)

اشرف منزل، چوک کراچی ۵

۱۰ شوال ۱۳۷۶ھ

دو لفظ

(از ادیب الہند فصیح زماں، مولٰنا عبد الماجد صاحب بی۔ اے مدیر صدق)

مولوی شاہ سراج الحق صاحب پڑھ لکھ کر عالم ہوئے، فاضل ہوئے اور وقت کے شیخ المشائخ کے فیض سے خود بھی دوسروں کے لئے سراج ہدایت بن گئے یہ سب کچھ ہوا مگر طبیعت کی ستم ظریفی نہ گئی۔ ارشاد مجھ جیسے نااہلِ محض سے ہوا ہے کہ اس کتاب طریقت انتساب کی رونمائی میں کچھ عرض کردوں! ——— کیا ہوا، آخر کار شاعر بھی تو ہیں ——— اور شاعر کو شاید سب کچھ معاف ہے۔

شیخ فریدالدین عطارؒ نیشاپوری کے نام اور مرتبہ عظمت سے پڑھے لکھوں میں کون ناواقف ہے، انکی جانب صحیح یا غلط منسوب ایک قصیدہ رائیہ بھی فارسی میں ہے۔ جس میں باتیں کچھ وحدۃ الوجود کی کہی گئی ہیں، اور اسکے کچھ اسرار و نکات بیان کیے گئے ہیں۔ عارفوں کا حال تو اللہ جانے، باقی وہ باتیں ہیں ایسی کہ ہم عامیوں کے کان میں اگر پڑ جائیں، تو کان تو خیر گنہگار ہوئے ہی، ہم تو سمجھیں کہ خود ایمان بھی خطرہ میں پڑ گیا ——— اور یونیورسٹی والوں کو اب کیا کہیے ؟ کہ انھوں نے ایسی کتاب شاید شیخ کے نام سے متاثر و مرعوب ہوکر کورس میں داخل کردی ہےلے !!

شاہ سراج الحق کی عالی ہمتی کو کیا کہیئے کہ اللہ کا نام لیکر قلم انھوں نے اس غرض سے اٹھایا کہ پتھر کو پانی اور زہر کو مدبّر کرکے کام اس سے تریاق کا لینے لگیں۔ شعر کا ترجمہ شعر میں یوں بھی آسان نہیں، چہ جائیکہ جب موضوع ایسا نازک اور اتنا بیڈھب ہو ——— آفریں صد آفریں

لے ان حضرات کی خدمت میں بہ ادب، لیکن بہ اصرار، گزارش ہے کہ کم سے کم ان پانچ شعروں کو ضرور ہی نصاب سے خارج کردیں۔ عہ ۲۹، عہ ۹۳، عہ ۱۱۴، عہ ۱۱۸، عہ ۱۱۹ ۱۲ منہ (از سراج: اور شعر عہ ۱۴۲، عہ ۱۴۳، عہ ۱۵۰ کو بھی)

ہے قادر الکلام مترجم و شارح کو کہ خوب ہی اپنے کام کو نباہ لے گئے ہیں اور مخمل میں پیوند مخمل ہی کا، بلکہ بہتر اور برتر مخمل کا لگاتے چلے گئے ہیں۔

بساط اشرفی کی حاشیہ نشینی کا، حق یہ ہے کہ انھوں نے حق ادا کر دیا ہے۔ اور خصوصاً مکالمۂ ابلیس و موسیٰؑ میں حکمت تکوینی کے سلسلہ میں جو نکتہ آفرینی انھوں نے کی ہے وہ انھیں کا حصہ ہے ــــــــــ یہ کام محض ذہانت کے بل پر انجام نہیں پا سکتا جب تک کہ معرفت کا حصہ بھی نصیب نہ ہو چکا ہو۔

البتہ قبول روایات میں، مثلاً شعر ۱۲۹ کی شرح میں بہ سلسلۂ قصۂ حضرت جنیدؒ یہ حضرت بھی محدث و مورخ سے زیادہ ایک خوش عقیدہ صوفی صافی ہی نظر آئے ــــــــــ جس اخلاص نیت سے انھوں نے اس پرخطر وادی میں قدم رکھا، اللہ اس کے لحاظ سے انھیں اجر کامل و وافر عطا فرمائے۔

دیباچہ مترجم

بعد الحمد والصلوٰۃ احقر محمد معروف بہ سراج الحق عرض کرتا ہے کہ یہ قصیدۂ فارسی حضرت شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری رحمۃ اللہ کا کلام ہے جو عرفا وصوفیہ میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں دریائے "وحدت" کے شاہیر مستغرق ومستہلک صوفیہ میں سب سے زیادہ مدہوش حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی ہیں (رحمۃ اللہ) انکے مقابلہ میں ہوش اور صحو سے قریب تر شیخ عطارؒ ہیں۔ اور ان دونوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوش میں حضرت مولنا جلال الدین رومی صاحب مثنوی معنوی ہیں۔ ان اکابر سکر کا کلام دراصل عالم باطن کے واردات واحساسات کی ترجمانی ہوتی ہے جو ہم ارباب ظاہر کی رسائی سے ماوراء ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے "زبانِ مرغاں مرغاں دانند وکلام مرداں مرداں خوانند" اسکی کافی تصدیق مجھکو شیخ عطارؒ کے اسی قصیدہ سے ہوگئی کہ شیخ نے اپنے اس قصیدہ میں جو وحدت الوجود کی "منطق الطیر" درج فرمائی ہے اُسے "طائرانِ لاہوتی اور صفیر یانِ عرش" ہی سمجھیں تو سمجھیں ہم کہ بندہ ظاہر اور شرمندۂ باطن ہیں بجز اسکے کہ ان اشعار کو پڑھکر یا سنکر شیخ عطارؒ کو کافر کہیں یا مجنوں نام دھریں اور کچھ کرہی نہیں سکتے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ علماء ظاہر کی اصطلاح اور تکنیک اَور ہوتی ہے اور عرفا وصوفیہ کی اَور۔ علماء ظاہر اور عرفا وصوفیہ کے درمیان کے بیشتر اختلافات اور تکفیری معرکے دو وجہوں سے پیش آتے ہیں۔

ایک یہ کہ علماء ظاہر عموماً عرفا وصوفیہ کی اصطلاح اور تکنیک سے بے خبر ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ امت محمدیہ کے ایمان کی حفاظت ہر عاقل مسلمان پر فرض عین ہے نہ کہ علماء پر جو نائبانِ رسول، اور ناظمانِ عالم ہوتے ہیں، ان پر تو اور بھی زیادہ ذمہ داری ہوتی ہے عرفا وصوفیہ کبھی اپنے گلشن قلب کی سیر میں مست ہوتے کبھی محبوب حقیقی کے دیدار سے بیخودی کے ساتھ متلذذ، کبھی مختلف کیفیات قرب ووصل یا بُعد وہجر سے بیتابی کے ساتھ متألم

ہوتے ہیں وہ جذبات کے ہجوم سے گھبرا کر یادوں کی ٹیسوں سے تڑپ کر کبھی کچھ ناتمام فقرے، ابہم بول غیر مفہوم کلام، بول دیتے ہیں اور اپنی دھن میں یا مجبوریوں کے باعث انھیں اس کا بالکل خیال نہیں رہ جاتا کہ ہمارے ان کلمات سے اُمت پر کیا گزر جائیگی یا اُمت ہمیں کیا نام دھریگی۔ وہ تو آزاد از دوزخ اور فارغ از بہشت ہو کر دل کی بھڑاس نکالتے اور سکون قلب چاہتے ہیں۔ علمائے ظاہر تک انکے یہی ناتمام بول، مبہم کلام جب پہونچتے ہیں تو وہ کبھی اپنی لاعلمی کے باعث اور کبھی امت کے ایمان کی حفاظت کے خیال سے اُنکی تردید اور بعض وقت تکفیر بھی کر دیتے ہیں۔ جس کا حاصل اتنا ہی ہے کہ عوامِ امت انکی باتوں کو ناپسند کریں اور ان کے قریب نہ جائیں۔ واقعی یہ علما، کا امت پر بہت بڑا احسان ہے۔ چونکہ عرفا اور صوفیہ کیطرف قلوب کو (بحکم فیوضع لہٗ القبول فی الارض) عام طور پر کشش ہوتی ہے اور ان عرفا سے امت کو عقیدتمندی بھی ہوتی ہے اور انکے ناتمام کلام سے امت کا ایمان برباد ہونا یقینی ہے اسلئے علمائے ظاہر انکے موحش کلام سے خود بھی دور رہتے ہیں اور امت کے لئے بھی اسکو مضر جانتے ہیں اس لئے اس کے قائل کی تکفیر تک کر دینے کو وہ زیادہ اچھا اور آسان سمجھتے ہیں بہ مقابلہ اس کے کہ کسی عارفِ موحد کے عالم قلب کی وجدانی کیفیتوں، روحانی مکالموں اور ذوقی مکشوفاتوں کی تصدیق اور توثیق کر کے عوام کی گمراہی کا سبب بنیں۔

حضرات عارفین و موحدین کرہم اللہ کا یہ مسئلہ "توحید وجودی" اگر صرف انکار از درونِ خانہ رہتا تو ظاہر ہے کہ "محتسب را درونِ خانہ چہ کار؟" مگر غضب تو یہ ہوا کہ اُدھر حسن میں خود بینی اور خودنمائی بھی انتہا کی اور اِدھر ان نظر بازوں کی تیز نظری اور دیدہ وری بھی بلا کی، اُدھر حسن مطلق میں "حسن ظہور و نمود" اور اِدھر ان موحدین میں "حسن شہود" نتیجہ یہ ہوا کہ انکا وہ رازِ درونِ خانہ، وہ سرِ وحدت، وہ رمزِ ظاہریت و مظہریت، انکی زبانوں سے نکلا، بیانوں سے اُبلا، تحریروں میں چمکا، تقریروں میں جھمکا، نظم میں نکھرا، نثر میں بکھرا، افعال میں جھلکا، احوال سے چھلکا اور آخر کار عالم آشکارا ہو کر رہا۔ خوب کہا ہے فارسی کے حافظ شیراز نے

دل می رود زدستم صاحب دلاں خدارا　　دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

اور خوب کہا ہے اردو کے حافظ حضرت اصغرؔ نے ہ۔

وہ شوخ بھی مجبور ہے معذور ہوں میں بھی　　کچھ فتنے اٹھے حسن سے، کچھ حسنِ نظر سے

پھر جب وہ رازِ درون خانہ اس مرحلہ پر پہونچا تو علمائے ظاہر کو ـــــــ اور میں انھیں کا خادم رہنا اپنی سعادت دارین جانتا ہوں ـــــــ امت مرحومہ کے ایمان کی حفاظت اور شریعت محمدیہ کی حمایت کے لئے اپنا منصب سنبھالنا اور تیغ قلم لیکر میدان میں آنا پڑا۔ اور انھوں نے پوری عدالت و دیانت اور استقامت سے اپنا فریضہ انجام دیا کہ موحدین عارفین کے بواطن کا معاملہ تو خدا کے سپرد کیا مگر انکے ظواہر پر ظاہری شریعت کا حکم لگا دیا اور کچھ پروانہ کی کہ ابن منصورؔ کا سر کٹتا ہے یا ابن عربی کافر و زندیق ٹھہرتے ہیں یا مجدد الف ثانی قید ہوتے ہیں۔

مشہور ہے کہ ابن منصورؔ کے قتل کے محضر پر خود انکے پیر حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ سے جب دستخط کرنیکو کہا گیا تو انھوں نے فرمایا "ٹھہرو! میں پہلے علما و فقہا کا لباس پہن آؤں پھر اس پر دستخط کروں اسلیئے کہ انا الحق کہنا اگر جرم ہے تو ظاہر شریعت ہی کے لحاظ سے جرم ہے۔ میں اپنی مسند تربیت و ارشاد پر بیٹھکر تو اس پر دستخط نہیں کر سکتا۔"

شیخ عطار کی ایک کرامت ۔ "سلوک" کے اس قصیدہ نے میرے ساتھ جو سلوک کیا وہ عجیب و غریب ہے اور میں شاید عمر بھر بھی اسے نہ بھولونگا۔ یہ قصیدہ آگرہ یونیورسٹی کے درجۂ ایم اے کے نصاب فارسی میں داخل ہے۔ چند سال اُدھر کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب جو امتحان ایم اے میں شرکت کا ارادہ رکھتے تھے میرے پاس یہی قصیدہ لیکر آئے کہ چند مقامات پر کچھ پوچھنا ہے۔ خیر، سوالات و جوابات جب ہو چکے تو میں کتاب ان سے لیکر جا بجا سے یوں ہی دیکھنے لگا۔ تو نظر مکالمۂ ابلیس و موسیٰ پر پڑی۔ چند ہی اشعار دیکھے تھے کہ مجھے وحشت اور نفرت سی ہونے لگی۔ تو میں نے ان سے کہا کہ لاحول ولا قوۃ یہ تو بڑے لغو اور حد سے گزرے ہوئے مضامین اس میں ہیں۔ یہ

کتاب نجانے کس نے کورس میں داخل کردی؟ میرا تو خیال ہے کہ یہ کتاب شیخ عطارؒ جیسے بزرگ کی نہ ہوگی۔ کسی بد دین نے خود لکھکر شیخ عطارؒ کے نام منسوب کردی ہے اسمیں تو خلاف شرع مضامین ہیں۔ مثلاً۔

(۱) یہ کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ سے کسی مرشد کے ملنے کی درخواست کریں، وہ تو خود اعلم عصر اور صاحب شریعت رسول تھے۔ اسکے علاوہ انبیا علیہم السلام کی تعلیم و تربیت تو خود بارگاہ احدیت سے ہوتی ہے۔ انھیں کسی دوسرے مرشد کی بھلا کیوں ضرورت و تمنا ہونے لگی؟

(۲) یہ کہ حق تعالیٰ نے ابلیس کو حضرت سیدنا موسیٰؑ کے لئے مرشد کیا۔ نعوذ باللہ۔

(۳) یہ کہ حضرت موسیٰ ابلیس کو ذات حق کا عاشق فرمائیں۔ اور اس عشق میں اُسے خوش رفتار وغیرہ تسلیم کریں۔ استغفراللہ۔

(۴) یہ کہ حضرت موسیٰؑ اسے فرشتوں کا استاد اور معلم الملکوت کہیں۔ نعوذ باللہ۔ وہ تو خود فرشتوں کا شاگرد اور معلم تھا۔ اگر اسے فرشتوں کا استاد مان لیا جائے تو پھر حضرات ملائکہ کی ساری عصمت ہی تشریف لیجاتی ہے۔ کیونکہ انمیں ابلیس معلم کے بھی کچھ نہ کچھ اثرات ضرور ہی آئے ہونگے۔ تو پھر ان پر خدا کا پیام نبی تک لانے میں اعتماد بھی کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ پھر تو احکام دین سے امان واطمینان ہی اٹھ جائے گا۔

(۵) یہ کہ موسیٰؑ ابلیس سے "بزبان نیاز" اور از راہ عجز والانکسار" گفتگو کریں۔ نعوذ باللہ۔

یاد نہیں اور نہ معلوم کیا کیا خدشات میں نے اپنے "جہل علم نما" کی ترنگ میں ان سے کہہ ڈالے اور وہ صاحب اٹھکر چلے گئے۔ غالباً غیرت حق کو میرے چھوٹے منھ سے اتنی بڑی بات کا نکلنا اور وہ بھی اپنے ایک فانی اور محبوب بندہ کے خلاف پسند نہ آیا اور شیخ سے میری یہ بدگمانی خدا کو گوارا نہ ہوئی۔ دس ہی پندرہ دن کے بعد پھر ایک خلش سی دل میں پیدا ہونے لگی کہ ذرا اس کتاب کو پھر دیکھنا چاہیئے۔ اب میں ان صاحب کے پاس گیا کہ ذرا وہ قصیدۂ عطار ایک

دن کے لئے مجھے دے دیجئے۔ غرض میں کتاب لے آیا اور دیکھنے لگا۔ بیچ بیچ میں اگرچہ کہیں جگہ کھٹک پیدا ہوئی مگر میں بددل نہ ہوا، آگے بڑھتا گیا کہ ناگاہ یہ شعر آیا ؂

گشت خود منکر و نمود انکار — خود پیمبر شد و پیام آورد

تو مجھ میں ضبط نہ کر سکا۔ لاحول پڑھتا ہوا اٹھا اور کتاب واپس دے آیا۔ ارادہ تھا کہ اب اسے نہ پڑھونگا۔ مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ ہفتہ عشرہ کے بعد ہی پھر دل میں تقاضا پیدا ہونے لگا کہ ذرا وہ کتاب ایکبار پوری تو پڑھکر دیکھو۔ میری زندگی میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ اگر کسی وجہ سے کسی کتاب کے مطالعہ سے جی ہٹ گیا تو پھر برابر جی ہٹا ہی رہا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں اپنے آپ کو دوبارہ اس کے مطالعہ پر آمادہ کر سکا ہوں۔ لیکن اس قصیدہ کا تو معاملہ ہی کچھ نرالا نظر آرہا تھا کہ ایک طرف تو طبیعت کو اسکے مطالعہ سے وحشت بھی ہونے لگتی تھی اور دوسری طرف دل کا یہ حال کہ اس کے مطالعہ کیلئے بیچین بھی تھا ؂

یارب کجا برم لب خنجر ستائے را — مُردَم زفرطِ ذوق و تسلّی نمی شوم

طبیعت کو جیسے ایک کرسی لگ گئی تھی۔ چنانچہ ایک بار پھر ان صاحب کے یہاں گیا اور وہی کتاب مطالعہ کے لئے پھر مانگ لایا۔ اب کی بار میں پہلے ہی سے اپنے عقیدے کی کھال کو اتنی موٹی بنا کر مطالعہ کرنے بیٹھا کہ معمولی تیر و نشتر تو بھلا اس پر کیا اثر کرتے اس شعر سے

خود ز شرکِ خفی است آئینہ دار — اے پسر! لا الٰہ الا اللّٰہ

کا نوکدار بھالا بھی بے اثر ثابت ہوا اور یہ شعر بھی مجھے کتاب بند کر دینے پر آمادہ نہ کر سکا۔ میں چونکہ اسکا ختم تک پڑھنا طے کر کے بیٹھا تھا لہٰذا ختم ہی کر کے اٹھا۔ اور کیا کہوں کہ اس مرتبہ اس سے وحشت ہونا اور اسکے اندر عیب و نقص نظر آنا یا غلط، الحاقی اور مخالفِ شرع ہونیکا گمان اس پر گذرنا تو درکنار، مجھے الٹا اس کے اشعار میں ایک عجیب حلاوت، بیان میں طرفہ لطافت، معانی میں ندرت و نزاکت بھی محسوس ہونے لگی۔ اکثر مقامات پر زورِ کلام اور جوشِ بیان کا اثر بھی طبیعت نے لیا اور سب سے عجیب تر یہ کہ اپنے ہی سابق اعتراضات،

خدشات اور شبہات کی کچھ تاویلات اور جوابات بھی ذہن کے ایک گوشہ سے جھانکتے معلوم ہو رہے تھے۔ اب تو میں نے اس قصیدہ کو دوبارہ اور سہ بارہ پڑھا اور ہر مرتبہ کے مطالعہ میں سابق وحشت کم سے کم تر ہوتی معلوم ہوئی۔ اس کے بعد دل میں یہ خواہش بھی اُبھرتی محسوس ہوئی کہ اس قصیدہ کا ترجمہ اردو نظم میں کرنا چاہیئے۔ فرصت کے وقت جب میں نے اس خیال پر نظر ثانی کی تو اپنی کم مشقی، فنی کم مائیگی، ترجمہ میں مضمون اور شریعت کی سخت پابندی، خود ترجمہ کی مشکلات، اپنا طریق و سلوک سے اور خصوصاً اس دریائے خونخوار "وحدت الوجود" سے ناآشنائے محض ہونا، مبہم متن کی شرعی توجیہ و تشریح وغیرہ، متعدد پہاڑوں کی موجودگی میں ترجمہ کا خیال "مجذوب کی بڑ" معلوم ہونے لگا اور ہمت ہارنے لگی۔ لیکن غور جو کیا تو ترجمہ منظوم کی خواہش بدستور بلکہ کچھ زیادہ قوت کے ساتھ موجود!

مجھے اس قصیدہ کے بارے میں اپنی رائے کی اس تبدیلی اور اس انقلاب پر سخت حیرت ہوئی اور آج بھی غور کرتا ہوں تو حیرت کے ساتھ ہنسی بھی آنے لگتی ہے کہ اللہ اکبر اس قصیدہ کا تو خفیہ طور پر میرے دل کے لئے یہ "جذب" اور میرا اس سے ظاہر میں وہ سلوک! یہ قصیدہ پہلے تو خود ہی خار دامن بنکر الجھا مگر شاید الجھا ہی اسلیئے تھا کہ آخر میں وہ مجھ پر گل و نسرین کی بارش اور اپنی شمیم جاں پرور سے میرے قلب و روح کو معطر بھی کرنے لگے۔ یہ آخر شیخ عطار کی کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟

خیر اس طرح وجدانی طور تو میں اس قصیدہ کا گرویدہ بن گیا مگر علمی طور پر میں پھر بھی اسکے "مسائل تصوف" کے سمجھنے سے قاصر ہی تھا۔ وہ تو کہیئے کہ حسن اتفاق یا شیخ عطار کی دوسری کرامت سے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی فاروقی قدس اللہ سرہ کے ملفوظات "امداد المشتاق" مرتبہ و مشروحہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ مل گئے، جنہیں کثرت سے وحدۃ الوجود ہی کے مسائل بیان ہو گئے تھے۔ بس ان ملفوظات کا پڑھنا تھا کہ زبان بند ہو گئی اور آنکھیں کھل گئیں اسوقت جا کر معلوم ہوا کہ میری وہ وحشت علم دین

ے بے خبری کی بنا پر نہیں بلکہ عرفا کی زبان ان اصطلاحات اور فن نہ جاننے کی بنا پر تھی۔

اس قصیدہ کی خدمت کی سعادت چونکہ مقدر تھی معلوم ہوتا ہے اسی لئے پہلے حضرتِ جد سلسلۂ غواص بحرِ توحید حضرت مخدوم صابر کلیری رحمہ اللہ اور پھر حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی زیارت عالم رویا میں کرا دی گئی تھی۔

آخر میں حق تعالیٰ سے بھی دعا ہے اور حضرات علماء سے بھی درخواست ہے کہ میری اغلاط کو دامنِ عفو سے ڈھانک دیں۔ والسلام۔

سراج

مقدمہ

۱۔ احوال شیخ عطار

شیخ کا اصل نام محمد اور کنیت ابو طالب یا بقول بعض ابو حامد تھی۔ انکے والد کا نام ابوبکر ابراہیم بن اسحٰق تھا۔ شیخ کا لقب فریدالدین اور تخلص عطار تھا۔ آپ نیشاپور میں ۵۱۳ھ/۱۱۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ پیدائشی ولی تھے۔ طفلی ہی میں آپ نے وطن ہی میں تعلیم دینی حاصل کی۔ بڑے ہونے پر اور تعلیم سے فراغت کے بعد آپنے مولٰنا رکن الدین آکاف کی خدمت میں کئی سال حاضر رہ کر دولتِ باطنی حاصل کی۔ آخر میں شیخ مجد الدین بغدادی سے کسب فیض کیا۔ معاش کیلئے آپنے عطاری کی دُکان کھول لی تھی۔ خود ہی مریضوں کو نسخہ لکھتے اور اپنے دواخانہ سے خود ہی دوا بنا کر دیتے۔ اسی مناسبت سے عطار تخلص کیا۔ خود لکھتے ہیں کہ میرے دواخانہ میں تقریباً پانچسو مریض روزانہ رہتے تھے۔ آخر یہ مشغلہ ایک مجذوب کی ایک نگاہ سے ختم کر دیا (جسکا ذکر آگے آرہا ہے) بقول محمد عوفی (مصنف لباب الالباب) شیخ عطار ان شعرا میں ہیں جو سنجر کے بعد (یعنی ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء کے بعد) مشہور ہوئے۔ یہ کتاب محمد عوفی نے ۶۱۷ھ/۱۲۲۰ء کے لگ بھگ لکھی ہے۔ اس کے بعض اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عطار اسوقت بقید حیات تھے۔ ان کے حالاتِ زندگی بہت کم ملتے ہیں۔

شیخ نے اپنی عمر کا بہت سا حصہ سیاحت اور کسب فیوض باطنی میں گذارا۔ کہتے ہیں کہ تیرہ برس تو آپنے امام رضا کے روضہ کے قریب گذارے۔ پھر متعدد سفر کیئے اور مقامات۔ رے۔ مصر۔ کوفہ۔ دمشق۔ حرمین۔ ترکستان۔ ہندوستان کی سیر کی آخر میں اپنے وطن میں مقیم ہو گئے۔ اور مرجح قول کے مطابق ۶۲۷ھ/۱۲۲۹ء میں نیشاپور میں ایک مغل کے ہاتھ سے شہید ہوئے آپنے ۱۱۲ برس کی طویل عمر پائی۔

حافظ محمود شیرانی اپنی تنقید شعر العجم میں لکھتے ہیں کہ انکو خواجہ عطار کہنا غلط ہے اس لئے

کہ خواجہ عطارؒ نویں صدی کے ایک دوسرے بزرگ تھے جنکا نام علاؤالدین تھا۔

چند اہم واقعات

(۱) عطاری کا کام ترک کرنے کا ایک خاص واقعہ ہوا ایک دن یہ اپنے کاروبار میں مشغول تھے کہ ایک مجذوب نے انکی دکان پر آکر کچھ طلب کیا یہ مخاطب نہ ہوئے، اس نے ایک دو بار ان سے پھر سوال کیا، یہ جواب بھی نہ دے سکے تو مجذوب نے بلند آواز سے کہا "یہاں جب تمہارا دل اسقدر ان چیزوں میں پھنسا ہے تو جان کس طرح دوگے۔ انھوں یہ طعنہ سنا تو جھنجھلاکر کہا جیسے تم دوگے۔ مجذوب بولا بھلا میری طرح تم جان کیا دے سکوگے؟ انھوں نے کہا کیوں تم کیسے جان دوگے؟ تو مجذوب وہیں لیٹ گیا اور چادر تان کر ایکبار لاالٰہ الااللہ کہا اور جان بحق تسلیم کردی۔ شیخ پر اس واقعہ کا بڑا اثر پڑا کہتے ہیں کہ وہیں کھڑے کھڑے سارا سامان لٹا دیا اور دل دنیا سے ہٹا کر آخرت کیطرف ہمہ تن متوجہ ہوگئے۔

(۲) انکی شہادت کا واقعہ بھی عجیب ہے کہ تاتاریوں کے حملہ بغداد میں ایک سپاہی نے انکو قتل کرنا چاہا کہ ایک شخص سامنے سے گذرا وہ شاید شیخ کی جلالت شان سے واقف تھا اسنے کہا انکو قتل نکرو بلکہ مجھ سے دس ہزار اشرفیاں لیکر انھیں مجھے دیدو۔ شیخ نے کہا دیکھو میں اس سے زیادہ قیمت کا ہوں مجھے اتنے پر فروخت نکرنا۔ وہ سپاہی انکو پکڑ کر آگے لیچلا کہ ایک دوسرا شخص ملا اس نے کہا انکو قتل نہ کرو بلکہ انکو میرے حوالہ کردو میں تمہارے گھوڑے کے لئے گھاس کا ایک بڑا گٹھا انکے عوض دونگا۔ شیخ نے فرمایا ہاں دے ڈال۔ میں تو اس سے بھی کم قیمت ہوں۔ مغل سپاہی وحشی اور جاہل تھا بھلا ان جملوں کی کیا قدر کرسکتا تھا وہ سمجھا کہ یہ بڈھا مجھ سے مذاق کررہا ہے اس نے غصہ میں آکر وہیں آپکو شہید کردیا۔

(۳) اثناء سیاحت میں شیخ کا گزر قونیہ میں بھی ہوا آپکی شہرت سنکر مولانا روم کے والد مولانا کو ——— جو اسوقت کم عمر تھے ——— لیکر شیخ عطارؒ کیخدمت میں حاضر ہوئے اور لڑکے کے حق میں رشد وصلاح کی دعا، کی درخواست کی۔ شیخؒ نے دعا کی اور فرمایا کہ یہ بچہ آگے چلکر بڑا شخص ہوگا۔ اسکے بعد مزید شفقت و توجہ فرماکر آپنے اپنے پندنامہ (یا مثنوی منطق الطیر)

کا ایک نسخہ مولنا کو دیا اور برکت کے لئے چند اشعار انکو اسی مجلس میں سبق کے طور پڑھا بھی دیئے چنانچہ مولنا نے اپنی شاعری میں شیخ کا تذکرہ کیا ہے اور بڑے ادب سے کیا ہے اور اپنی غیرفانی مثنوی کو منطق الطیر ہی کی بحر میں اور اسی موضوع پر لکھا۔ گویا مثنوی رومی کا نقش اول منطق الطیر ہے۔

تصانیف شیخ کثیر التصانیف ہیں کہ بعض تو انکی تصانیف کو ۱۱۴ سور تہائے قرآنی کے عدد کے موافق بتاتے ہیں مگر اسمیں مبالغہ بھی شامل ہے خود اُن کی تحریر سے کچھ اور بہیں تصانیف کا حال معلوم ہوتا ہے جن میں منطق الطیر۔ تذکرۃ الاولیا۔ پند نامہ زیادہ مشہور ہیں۔ بقیہ تصانیف یہ ہیں۔ مصیبت نامہ۔ اسرار نامہ۔ الٰہی نامہ۔ وصیت نامہ۔ اشتر نامہ وغیرہ۔ کچھ کتابیں غلط طور پر ان کی طرف منسوب ہو گئی ہیں حضرت شیخ راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور اس کے خلاف جو روایتیں ہیں وہ فرضی اور الحاقی ہیں

۲۔ قصیدہ رائیہ پر ایک نظر یہ قصیدہ جہاں کہیں ملا "قصیدہ در وحدت الوجود" کے نام سے ملا۔ چونکہ شیخ کی تصانیف میں اس نام سے کوئی مستقل رسالہ نہیں ملتا اس لئے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ قصیدہ شیخ کے ضخیم دیوان کا کوئی قصیدہ ہے جسے ارباب ذوق یا ارباب ادب نے اسکی نمایاں سرمستی اور زور بیان کے باعث علٰحدہ بھی شائع کر دیا ہے۔ بہرصورت یہ قصیدہ شیخ کی تصانیف میں ایک نمایاں جگہ ضرور رکھتا ہے۔ اور مولنا جامی علیہ الرحمۃ نے شیخ کے بارہ میں جو یہ رائے لکھی ہے کہ

"جس قدر اسرار توحید اور ذوقی اور وجدانی حقائق شیخ کی مثنویات اور غزلیات میں ملتے ہیں اس کثرت سے طائفہ صوفیہ کے کسی دوسرے فرد کے کلام میں نہیں پائے جاتے"

تو اس رائے کا ایک صحیح مصداق یہ قصیدہ بھی ہے۔ کسی کتاب پر رائے قائم کرنے کے لئے

نفسِ مضمون (Matter) اور طرزِ ادا و اندازِ بیان (Style) ہی دو چیزیں ہیں جو دیکھی جاتی ہیں۔ ذیل میں ہم بھی اس قصیدہ کو انھیں دونوں نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں

(الف) نفسِ مضمون:۔ اس قصیدہ کا نام مشہور "قصیدہ در وحدت الوجود" خود اس کے موضوع کو اور مضمون کو متعین کر دیتا ہے یہ قصیدہ، قصائد کے عام لوازم خارجی یعنی، تشبیب۔ گریز مدح بادشاہ۔ مدح متعلقات بادشاہ (مثلاً شجاعت۔ تلوار۔ اسپ و فیل) بادشاہ کے لئے دعا وغیرہ سے یکسر خالی اور عاری ہے۔ چونکہ یہ حضرت محجوب واحد الوجود جل جلالہٗ کی قدرت اور وحدت اور مدحت اور محبت اور توحید و تفرید میں ہے۔ اس لئے قصیدہ کے مضامین اور لوازم تک میں شرک و تعدد سے پاک ہے اسکی با بسم اللہ سے وحدۃ الوجود کا مضمون جو شروع ہوا ہے تو تا ہمت تک مضمون واحد ہے (مسئلہ وحدت الوجود پر ایک مستقل اور سیر حاصل بحث آگے آرہی ہے)

(ب) طرزِ ادا:۔ باوجودیکہ ایک ہی مضمون کو مختلف پیرایوں میں ادا کیا ہے مگر ایک تو شیخ پر عشق الٰہی کی غیرت نے محبوب یکتا جل جلالہٗ کے وجود کے سامنے کائنات کی ہر چیز بلکہ خود اپنے وجود کو ختم کر دیا ہے کوئی دوسرا انکی نگاہوں میں رہ ہی نہیں گیا ہے جسے وہ دیکھیں اور جس کے متعلق کچھ کہیں۔ دوسرے الفاظ اور بندش پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس مضمون کے ادا کرنے میں نہ بھٹکتے ہیں نہ سُست پڑتے نظر آتے ہیں۔ ہر مضمون نرالے الفاظ سے پوری تازگی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ جس طرح موضوع سے متعلق نئے نئے پیرائے انکے سامنے ہاتھ باندھ حاضر رہتے ہیں اسی طرح الفاظ اور بندشیں بھی انکے قبضہ میں ہیں۔ طرز ادا میں اگرچہ بعض لوگ جدت تراکیب۔ پُرشوکت الفاظ۔ پیچیدہ تشبیہیں اور استعاروں پر جان دیتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ چیزیں ہیں بھی قابل قدر اور دلکش۔ لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ یہ تو ملک تخیل کے ان چھوٹے فرماں رواؤں کی دستاویزیں ہیں جنکو صرف میل کا ہیل اور رائی کا پہاڑ بنانا آتا ہے۔ اور اہل دنیا سے واہ واہ لینا ہوتا ہے۔ ورنہ اگر لفظوں میں سادگی اور معانی کے پیرایوں میں طرفگی اور بیان میں بیاختگی اور برجستگی ہو تو وہ کہیں زیادہ

قابلِ قدر ہے۔ اگر کسی نظم میں جوشِ بیان کے ساتھ ساتھ سہولت زبان بھی ہو تو ذوقِ سلیم کے نزدیک اس میں سب کچھ ہے۔ اگر ایک طرف ابوالفضل کی آئین اکبری۔ نعرشی کی شبنم شاداب۔ ظہوری کی مینا بازار۔ غالب کی پنج آہنگ ادب فارسی کی شاہکار ہیں تو دوسری طرف سعدی کی گلستاں و بوستاں بھی یقیناً وہی درجہ رکھتی ہیں۔ پہلی قسم کی تصانیف تخیلی ادب کا نمونہ ہیں اور دوسری قسم کی تصانیف تسہیلی ادب کا۔ اور میرے نزدیک شیخ عطارؔ کا یہ قصیدہ اسی موخرالذکر اسلوب نگارش میں داخل اور ایک بلند اور وجد آفریں ادب کا حامل ہے۔

سادہ نگاری کی چند مثالیں نمونہ کے طور پر یہاں لکھتا ہوں ورنہ یوں تو سارا قصیدہ ہی اسکا یکسر نمونہ ہے۔

(الف) از برائے فریب خود، خود گشت | جلوہ در قد و، در قدم رفتار
تاب در زلف و وسمہ بر ابرو | سرمہ در چشم و غازہ بر رخسار
رنگ در آب و آب در یاقوت | بوئے در مشک و مشک در تاتار

(ب) اے کہ کردی تو نام من عاصی | رفتہ ام، راہ معصیت بسیار
نام خود بر صحیفۂ لاریب | خود رقم کردۂ انا غفار
کیسۂ من پر از گناہان است | تو خریدار وایں بازار
ہرچہ داری ز جنس بخشائش | تو بہ ھل من مزید لطف بیار

جوش بیان کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(الف) عشق گر در دلت فروزد شمع | روز روشن نمایدت شب تار
محو کردی چناں تو از مستی | نشناشی ہمی سر از دستار
بہ ہمیں دیدہ بنگری ظاہر | صورتِ خویش را بہ صورتِ یار

از زبانت کہ می کند مَن مَن — جانِ من یک زمانکے ہشیار

(ب) می زند موج ہم دریں معنیٰ — مطلع ہم چو مطلع انوار
آں خروشاں چو بلبلانِ بہار — ویں خموشاں چو طبلۂ عطار
لیک کو غیر تا سخن گوید — یا خمش بر نشید اے دِلدار
خود انا الحق زد از لب منصورؒ — خود بر آمد ز شوق بر سر دار
لی مع اللہ ومن رآنی گفت — ہم خود از نطق سید ابرار

بلکہ سچ یہ ہے کہ مذکورہ بالا کل اشعار سادہ نگاری اور جوشِ بیان دونوں ہی کی عمدہ مثالیں ہیں۔

بحر و تقطیع اس کی بحر، رمل مسدس مخبوں مقطوع محذوف ہے۔ اس کے عام ارکان فاعلاتن مفاعلن، فعلن دوبار ہے۔ اس کی تقطیع یوں ہے۔

دِلدار	کہ جلوہ اے	چشم بکشا
فعلان	مفاعلن	فاعلاتن

مسئلۂ وحدتِ وجود چونکہ اس کتاب کا اصل موضوع مسئلہ وحدت الوجود ہے جس کو توحید وجودی "ہمہ اوست" وغیرہ مختلف عنوانوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور کم علم اور کور ذوق لوگوں میں پہونچکر یہ چیز کہیں تجسم، کہیں حلول، کہیں اتحادِ ذات کہیں اتحاد صفات بنکر گمراہی کا سبب بن رہا ہے۔ اس لئے ہم اس مسئلہ کے متعلق اکابر اور مستند عارفین کی تحریروں کا خلاصہ درج کر کے حتی الامکان اس مسئلہ کی کسی حد تک توضیح کرنا چاہتے ہیں۔ مگر نفس صورت مسئلہ کے ذکر سے پہلے اسکے احکام اور لوازم بتا دینا ضروری ہیں۔

(۱) اصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ مقولۂ کیف سے ہے، مقولہ علم سے ہے ہی نہیں یعنی یہ ایک کیفیت ہے جو عارف کے ذوق ایمان اور وجدانِ عرفان پر بس ایک آن کی آن کے لئے طاری

ہوتی ہے اور پھر اسے ہوش آجاتا ہے یہ کوئی علمی مسئلہ اور قال و اقرار نہیں ہے۔ بلکہ ایک ذوقی کشف ہے، جو سراسر حال و تصدیق ہے۔ یہ مسئلہ نہ تصوف میں مقصود ہے نہ یہ مقامات سلوک میں سے ہے۔

(۲) صرف مسلمان صوفی پر خدا کی دین کی وجہ سے کسی کسی وقت طاری ہوتا ہے غیر مسلم پر اسکا طریان ناممکن ہے۔

(۳) اسی آن میں عارف کا ذہن اس سے اسقدر متاثر اور متلذذ ہو جاتا ہے کہ باوجود افاقہ کے وہ مدۃ العمر اس لذت کے ذکر و بیان سے قلب و روح کے کام و دہن کو لذت اندوز بنائے رکھتا ہے۔

(۴) جس آن میں یہ کیفیت عارف پر طاری رہتی ہے اتنی دیر وہ یقیناً شریعت کا مکلف نہیں رہتا کیونکہ وہ مجنون۔ بیہوش اور مست کے حکم میں ہوتا ہے مگر افاقہ کے بعد — گو اس لذیذ کیفیت کی شیریں یاد اور جانفزا حسرت و تمنا خواہ کتنا ہی اُسے اپنی طرف مشغول رکھیں لیکن شریعت کی تمام ذمہ داریاں۔ دین کے سارے احکام اور مذہب کے سارے قیود و پابندیاں اس پر دوسرے عام مسلمان ہی کیطرح پھر عائد ہو جاتی ہیں۔

(۵) یہ کیفیت صرف اس عارف کو نصیب و قت ہوتی ہے جو مجاہدوں سے رذائل نفس کا زور اور جوش ٹھنڈا کر چکا ہو۔ اپنے نفس کو ہر خُلق کے مقام پر شریعت مصطفویہ کے ماتحت کر چکا ہو۔ نفس کے مقام سے گزر کر قلب کا مقام اپنے پا لیا ہو۔ بغیر اصلاح نفس کے اگر کسی کے اندر ایسی کوئی کیفیت پیدا ہو تو اول تو ایسا شاذ و نادر ہی ہوگا دوسرے وہ توحید وجودی نہ ہوگی بلکہ اسکا ایہام ہوگا۔

(۶) اس مسئلہ کی تعبیر کے لئے عشق الٰہی اور عرفان الٰہی کے الفاظ بولنا اور وحدۃ الوجود کو اور عشق و عرفان کو ہم معنی سمجھنا صحیح نہیں۔ عشق الٰہی اور معرفت الٰہی ایک عام قانون ہے جو شریعت میں مطلوب اور مامور بہ ہے اور وہ یہی ایمان و احسان و اسلام کے مراتب ظاہری

ہیں جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں چنانچہ آیۃ " والذین آمنوا اشد حبا للہ " ناطق ہے کہ قرآن وحدیث پر عمل کرنیوالے یہی مومن عشاق خداوندی ہیں۔

پھر اس عشق میں ہزاروں کیفیات اور گوناگوں واردات پیش آتے ہیں مگر وہ سب باوجود عشق وعرفان ہونے کے وحدۃ الوجود نہیں ہوا کرتے۔ وہ ایک عام سُکر۔ بیخودی۔ غیبت۔ فنا محویت کی کیفیات ہوسکتی ہیں مگر خاص وحدۃ الوجود کی کیفیت نہیں ہوسکتیں۔ دیگر کیفیات غیبت میں کیفیت وحدۃ الوجود میں، عام خاص کی سی نسبت ہے۔ وحدۃ الوجود کی کیفیت میں سُکر و غیبت کے ساتھ ساتھ اس محبوب واحد الوجود جل جلالہٗ کی عظمت وحدت کا مشاہدہ بھی لازم ہے۔

(۷) چونکہ اس کیفیت کو خود مبتلائے توحید کے لئے ٹھیک ٹھیک سمجھنا بھی مشکل ہے پھر اسکو صحیح اور موزوں الفاظ میں بیان وتعبیر کرنا اور بھی مشکل ہے، کہ ضروری الفاظ میں سے ایک لفظ بھی کم یا ناموزوں یا غلط یا مُوہم ہوا تو پھر اس سے غلط فہمی کا پھیلنا لازمی ہے یہی وجہ ہے کہ اکابر نے اس کے بیان کرنیکو، اس کے نااہلوں کے کان میں پڑنے کو، اس کو مُوہم الفاظ میں بیان کرنیکو سختی سے منع فرمایا ہے۔ مگر چونکہ مبتلاے توحید لوگوں نے اسکو بیان بھی کیا اور یہ مسئلہ سینہ بسینہ میں اور خانقاہوں سے مدرسہ میں اور پھر بازاروں میں بھی پہونچگیا اسلئے جہلاء زمانہ اسکا یہ مطلب سمجھنے لگے کہ

(الف) عبد ومعبود اور مخلوق وخالق میں اتحاد اور عینیت ہے۔ حالانکہ یہ کفر ہے نعوذ باللہ منہ

(ب) عبد کے اندر معبود نے اور مخلوق کے اندر خالق نے حلول کیا ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

(ج) احکام شرع نماز، روزہ، زکات وحج اور قیود حلال وحرام نکاح وسفاح سے آزادی مل گئی کہ اباحیت پر گامزن ہونے لگے کہ ماں بہن بیٹی اور اجنبی عورت کو بیوی کیطرح جائز سمجھنے لگے۔ حالانکہ یہ بھی الحاد وکفر ہے ونعوذ باللہ منہ۔

(د) امرد پرستی عرفان الٰہی کا زینہ ہے اور علانیہ اس بدترین فسق میں مبتلا ہو کر اپنے

کو اور دوسروں کو تباہ کرنے لگے۔ نعوذ باللہ منہ۔

اس کے آداب ولوازم کے بیان کے بعد اب ہم نفس مسئلہ کیطرف رجوع ہوتے ہیں اور اختصار کے خیال سے صرف دو اکابر طریق کی بعض عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ "ظاہر ہے کہ تمام کمالات حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور مخلوقات کے کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطاو حفاظت کے سبب انہیں موجود ہیں ایسے وجود کو اصطلاح میں وجود ظلی کہتے ہیں اور ظل کے معنی سائے کے ہیں۔ سو کہیں یہ نہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی جسم ہیں اور یہ عالم اسکا سایہ ہے۔ بلکہ سایے کے وہ معنی ہیں جیسے کہا کرتے ہیں ہم آپکے زیر سایہ رہتے ہیں یعنی ہمارا امن وعافیت آپکی توجہ کی بدولت ہے"۔ اسی طرح چونکہ ہمارا وجود، بدولت عنایت خداوندی ہے اس لئے اسکو وجود ظلی کہتے ہیں۔ بس یہ بات یقیناً ثابت ہوئی کہ ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی نہیں ہے۔ عارضی اور ظلی ہے اب اگر وجود ظلی کا اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی کا ثبوت ہوگا اور وجود کو واحد کہا جائے گا۔ یہ "وحدۃ الوجود" ہے اور چونکہ اصل وظل میں نہایت قوی تعلق ہوتا ہے۔ اسکو اصطلاح صوفیہ میں "عینیت" سے تعبیر کرتے ہیں۔۔۔

۔۔۔۔۔ اور عینیت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہوگئے یہ تو صریح کفر ہے چنانچہ وہی صوفیہ محققین اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں پس یہ عینیت اصطلاحی ہے نہ کہ لغوی۔ مسئلہ کی تحقیق تو اسی قدر ہے۔ اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام منثور یا منظوم میں پایا جائے وہ کلام حالتِ سکر کا ہے۔ نہ قابلِ ملامت ہے نہ لائقِ نقل وتقلید"۔ (تعلیم الدین ص۹۵ مصنفہ حکیم الامۃ مولینا تھانویؒ)

۲۔ "ہمہ اوست"۔ "لاموجود" دونوں مرادف ہیں جو کوئی طالب علم ہو اس کے معنی سمجھ سکتا ہے۔ اسکی مثال یوں ہے کہ جیسے مُہندس نقشہ کسی عمارت کا اپنے ذہن

میں خیال کرے اور تصور کرے۔ پس اصل میں وجود و قیام عمارت کا ہو گیا بعدہٗ جو درو دیوار ظاہر ہونگے وہ حاضر فی الذہن کے پرتو ہونگے۔ اسی طرح صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں مثل علم و قدرت۔ اور تمامی کائنات پرتو انھیں دو صفت کے ہیں۔ تمام مخلوق علم حق تعالیٰ میں تھی اسی کے موافق ظاہر ہوئی پس یہ سب پرتو اور ظلّ علم الٰہی ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کی صفات اسکی ذات سے علٰحدہ نہیں ہیں لامحالہ لاموجود الا اللہ اور ہمہ اوست پیدا ہے۔ جملہ (چیز) اول فانی آخر فانی اور درمیان میں جو کچھ ظاہر ہوا محض خیال و تصور ہے کہتے ہیں یہ مسئلہ کشفی ہے، میں کہتا ہوں کہ کشفی بھی ہے اور عقلی بھی اور نقلی بھی، نہ کہ صرف کشفی۔

(امداد المشتاق ملفوظات حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی ص۹۵)

(ب) "یہ مسئلہ (وحدت وجود) حق و صحیح و مطابق للواقع ہے۔ اس مسئلہ میں کچھ شک و شبہہ نہیں۔ معتقد علیہ تمامی مشائخ کا ہے مگر قال و اقرار نہیں ہے۔ البتہ حال و تصدیق ہے۔ یعنی اس مسئلہ میں تیقّن اور تصدیق قلبی کافی ہے اور "استتار اسکا لازم اور افشانا جائز ہے" کیونکہ اسباب ثبوت اس مسئلہ کے کچھ نازک ہیں بلکہ بحدّے دقیق کہ فہم عوام بلکہ فہم علماء ظاہر میں کہ اصطلاح عرفاء سے عاری ہیں نہیں آتے تو الفاظ میں کہنا اور دوسروں کو سمجھانا کب ممکن ہے۔ بلکہ جن صوفیوں کا سلوک ناتمام ہے اور مقام نفس سے ترقی کر کے مرتبۂ قلب تک نہیں پہونچے ہیں اس مسئلہ سے ضرر شدید پاتے ہیں اور مکر نفس سے چاہِ الحاد اور قعر ضلالت میں پڑ جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔ اس جگہ پر زبان روکنا واجب ہے" (امداد المشتاق ص۴۲)

(ج) "اللہ لا الٰہ الا ھو لہ الاسماء الحسنیٰ الآیہ اس آیت میں ایک راز مکنون ہے پہلے نفی غیر کی فرما کر اثبات "وحدۃ الوجود" کا فرمایا بعدہٗ فرماتا ہے کہ سوا میرے جو کچھ ہے وہ اسماء و صفات میری ہے۔ یعنی جو کچھ غیر ذات اسکی معلوم ہو وہ سب مظاہر و

صفات ہیں۔" (ایضوم ۹۱)

(د) "مراتب یقین تین ہیں۔ علم الیقین مرتبہ ادنیٰ۔ عین الیقین مرتبہ اوسط حق الیقین مرتبہ اعلیٰ ہے ...... حق الیقین مرتبہ فناء الفنا ہے۔ مثال اسکی یہ ہے کہ علم حرارت آتش کا علم یقین ہے، اور جب اس پر انگلی رکھی جائے عین الیقین ہوا اور جب کوہے کو خوب آگ میں سرخ کیا جاوے، اور اس وقت لوما "انا النار" کہے بجا ہے۔ یہ مرتبہ حق الیقین ہے۔ مقام حق الیقین کا ہمیشہ نہیں رہتا۔ آنی ہوتا ہے کبھی دن میں ایکبار اور کبھی ہفتہ میں ایک بار موافق قرب کے ہوتا ہے۔ اس مرتبہ میں تکالیف جاتے رہتے ہیں۔ بعضے اس مرتبہ پر پہونچتے ہیں غلطی سے نماز روزہ وغیرہ سب ترک کر دیتے ہیں۔ وقت غلبہ حال و بیخودی اگر نماز روزہ ترک ہو جاے معذور ہی ہے اور اگر بعد اس حالت کے ترک کریگا عند شرع گنہگار و ماخوذ ہوگا اور باوجود کھانے اور پینے اور بولنے اور چلنے وغیرہ کے ترک نماز گناہ ہے۔ اگر اپنی حالت میں نہ رہے اور کوئی کام آپ سے نہ کر سکتا ہو اس حالت میں ترک نماز مضائقہ نہیں۔ جس کو جامعیت نصیب فرمائی ہے شریعت سے باز نہیں رہتا۔" (ایضوم ۵۳ د ۵۶)

خلاصہ اوپر کی عبارتوں کا یہ ہے کہ

(۱) مسئلہ وحدۃ الوجود عقل سے بھی ثابت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انجینیر پہلے اپنے ذہن میں ایک نقشہ سوچ لیتا ہے اور وہ ذہنی نقشہ دراصل اس انجینیر کی ایک صفت ہے پھر یہی نقشہ ظاہر میں مادّی شکل میں آتا ہے۔ چونکہ یہ ظاہر کی مادی شکل اسی ذہنی نقشہ یا انجینیر کی صفت باطنی کی ایک پرتو۔ ظل۔ عکس۔ سایہ۔ نمونہ۔ نقل ہے اس لئے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسکو جداگانہ چیز نہ تسلیم کریں بلکہ انجینیر کے ذہنی نقشہ یا اس کے صفت باطنی

ہی کا اعتبار کر کے اسی ایک کو موجود مانیں۔ مادی شکل کا اعتبار ہی نہ کریں۔ یہی تخیلِ وحدۃ الوجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات چونکہ اسکی ذات سے الگ نہیں اسلئے کائنات کی تخلیق سے قبل جو نقشہ (مقدر) بنایا تھا وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی صفت تھی اور جب کائنات ظاہر ہوئی تو یہ ساری کائنات بھی اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے۔ اس لیے دونوں کو ایک ماننا عقلاً درست ہے اور دونوں میں ذات اور ظل کا تعلق ہے۔ یعنی اگرچہ ان دونوں میں تغایر ہے پھر بھی حضرات صوفیہ رحمہم اللہ نے ذات اور ظل (یا ظاہر اور مظاہر) کے اس تعلق کو شدید مانا اور اسکے لیے عینیت کی ایک الگ اصطلاح مقرر کی ہے۔

۲۔ اس مسئلہ کا نقلی ثبوت (الف) قرآن سے یہ ہے کہ آیۃ لا الٰہ الا اللہ کا اعلیٰ ترین مفہوم مراد لیا جائے یعنی لا موجود الا اللہ جیسا اوپر (ج) میں ملفوظات امدادیہ میں گزرا ہے (اور آیۃ) ھوالاول والآخر والظاھر والباطن (اور آیۃ) کل شی ھالک الا وجھہ (اور آیۃ) اینما تولوا فثم وجہ اللہ (اور آیۃ) وھو بکل شئ محیط (ب) احادیث سے یہ کہ یوذینی ابن آدم یسب الدھر فاننی انا الدھر (اور حدیث) الحجر (ای الاسود) یمین اللہ فی الارض (اور حدیث) من رآنی فقد رای الحق (اور حدیث) کنت سمعہ الذی یسمع بی وغیرہ

۳۔ اس مسئلہ کا کشفی ثبوت یہ ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ ایک کیفیت میں کہہ ڈالتے تھے "سبحانی ما اعظم شانی"۔ حسین بن منصورؒ نے "انا الحق" کہدیا۔ احمد جامؒ نے انا احمد بلا میم کہدیا حضرت صابر کلیریؒ نے کہدیا کہ کیا خدا کی بھی بیوی ہوتی ہے"۔ حضرت احمد عبدالحق رودولوی نے کہدیا منصور بچہ بود ... انجام داند الخ اور حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "معتقد علیہ تمامی مشائخ کا ہے۔

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود

"وجود ظلی کا اگر اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی کا ثبوت ہوگا اور وجود کو واحد کہا جائے گا یہ وحدۃ الوجود ہے اور اگر اسکا بھی اعتبار کیجیے کہ آخر کچھ تو ہے بالکل معدوم تو ہے نہیں گو غلبہ نور حقیقی سے کسی مقام پر وہ سالک کو نظر نہ آئے یہ وحدۃ الشہود ہے۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ نور ماہتاب نور آفتاب سے حاصل ہے اس نور ظلی کا اعتبار نہ کیجئے تو صرف آفتاب کو منور ماہتاب کو تاریک کہا جاویگا یہ مثال وحدۃ الوجود کی ہے اور اگر اسکے نور کا بھی اعتبار کیجئے کہ آخر اسکے کچھ تو آثار خاصہ ہیں گو وقت ظہور نور آفتاب کے وہ بالکل مسلوب النور ہو جائے یہ مثال وحدۃ الشہود کی تھی۔ (بیان القرآن ج ۲)

مثنوی درعرضِ مترجم

(۱)

نام لے کر خدا کا لکھتا ہوں
ورنہ کیا میرا علم؟ میں کیا ہوں؟

شیخ عطارؒ کا قصیدہ ہے یہ
جلوۂ حق کا ذکرِ دیدہ ہے یہ

بات خود نازک، اور پھر اشعار
جیسے گونگے کا خواب ہو دشوار

اب جو یہ ترجمہ بھی ہے منظوم
پھر تو اس کی افادیت معلوم!

علمی مضمون، ترجمہ کی قید
اس سے ہے زورِ نظم میں ناپید

گر نہوتی نصاب میں یہ کتاب
شرح میں بھی نکرتا اسکی جناب

دیکھتا ہوں جو "چاہ و نابینا"
شیخ کے زیرِ سایہ ہوں لکھتا

(۲)

شیخؒ ہیں وحدت الوجود میں غرق
نہیں کرتے وہ خوب و زشت میں فرق

حال انکا ہے، وہ تو ہیں معذور
جو نہ سمجھے تو ہے یہ اُس کا قصور

حرفِ عارف کو تم خطا نہ کہو
نہ ہو منکر بھی، گر بجا نہ کہو

علم اگر ہے تو کرلو کچھ تاویل
ورنہ پھر چپ رہو، نہ قال نہ قیل

لہ یعنی مقدام العارفین، مصداق الراسخین، غزالی عصر، شبلی زماں، فخر الاماثل، افضل الاقران، حافظ صحیفۂ الٰہیہ، متبع سننِ نبویہ، خازنِ امانت علویہ، ماہرِ علوم خفیہ، وارثِ برکات چشتیہ، حضرت مصلح الامۃ مولانا الحاج الحافظ الشاہ وصی اللہ الاعظمی دامت برکاتہم۔

لہ شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ۔

کفر اے کہہ کے مطمئن مت ہو — کیا خبر، گر یہی حقیقت ہو
یہ نہیں علم، کیف و حال ہے یہ — عامی سمجھیں، اسے محال ہے یہ
ہاں صحابہؓ کا گو یہ حال نہ تھا — پھر بھی تھا سیکڑوں اکابر کا
ابن عربیؒ ہیں، اور بسطامیؒ [۱] — صابرؒ و عبد حق ہیں، قدوسیؒ
حال ارفع سے، ہاں یہ ہے ہٹ کر [۲] — شیخ خود کہتے ہیں ذرا ہٹ کر
حق کو، خود سے کبھی جدا سمجھے — اور کبھی خود کو ہم خدا سمجھے"
"اب یہ عطار، فیض حق سے کھلا — بندہ بندہ ہے اور خدا ہے خدا"
پس خلاصہ یہ ہے جو وسط میں ہو — حال اس پر ہے، اسکو کچھ نہ کہو
پھر بھی جو مانتا نہیں یہ کلام — اس سے میرا ہے دور ہی سے سلام

(۳)

ترجمہ میں رکھا یہ میں نے لحاظ — کہیں حاصل لیا کہیں الفاظ
کہیں کی ہے وضاحت اجمال — دور ابہام سے کیا اشکال
کہیں اغلاط پر ہے کی توجیہ — کہیں افراط پر ہے کی تنبیہ

---

[۱] ان حضرات کے اسما بالترتیب یہ ہیں (۱) حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ (۲) حضرت سلطان العارفین ابو یزید البسطامی رحمۃ اللہ علیہ (۳) حضرت فانی فی اللہ سید علاؤ الدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۶۹۰ھ)۔ (۴) حضرت شیخ احمد عبد الحق رودولوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۸۳۶ھ) (۵) حضرت شیخ العالم شاہ عبد القدوس قدوسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۹۴۵ھ)۔

[۲] حضرت شیخ عطارؒ کی ایک مشہور رباعی ہے جو غالباً آخر عمر کا کلام ہے

یک چند، خدا، ز خود جدا دانستم — یک چندے، ہم خویش را خدا دانستم
عطار، از فیض شیخ، رفتہ رفتہ — بندہ، بندہ، خدا، خدا دانستم

اصل مطلب کو ہاتھ سے نہ دیا — شرع ظاہر پہ منطبق ہے کیا
صرف باطن میں گم رہی تھی نئی [1] — اشرفی ہوں کہونگا میں تو کھری
ہوگیا معتدل رسالہ یہ اب — فن کا ہے مستقل رسالہ یہ اب
اسمیں جو کچھ غلط ہے میرا ہے — اور جو ہے درست، شیخ کا ہے
عیب ہو تو ہے حسن بھی اسمیں — سر بسر حسن ورنہ ہے کس میں؟
مہر سے دیکھو، حسن آئے نظر — قہر میں حسن، عیب سے بدتر

نظرِ لطف سے جو دیکھو گے
خامیوں کو معاف کردو گے

---

[1] یعنی حکیم الامۃ مولانا اشرف علی، فاروقی، حنفی، چشتی، تھانوی قدس اللہ سرّہٗ کے سلسلہ کا ایک ہیچمدان و ناکارہ غفرلہٗ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رائیۂ عطار

۱- می نگارم قصیدہ اے عطار — کہ مرا نیست جز نگارش کار

۲- چشم بکشا کہ جلوہ دلدار — متجلی است از در و دیوار

۳- "نحن اقرب[1] الیہ" آمدہ است — دور افتادۂ تو از پندار

۴- "کُلِّ شَیئٍ[2] مُحِیط" می بینم — آنکہ می بینی اش بہ نقش و نگار

۵- تو ز کوتاہ بینی، اے احمق — می سرائی بہ لحن موسیقار[3]

۶- تا بہ کے در صفات حیوانی — ہمچو یک چند احمقے پُر عار

۷- اُو بہ پیش تو ایستادہ چو سرو — سر فرو بردۂ تو نرگس وار

۸- سرمہ گر ز نور "بی[4] یُبصِر" — در کشی در دو چشم پر زنگار

۹- ز اندرون و برون و شیب و فراز — (ق) از پس و پیش و از یمین و یسار

۱۰- شاہد "لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُو" — پیش تو پردہ گیرد از رخسار

---

[1] سورہ قٓ کی آیت ہے کہ "ہم انسان سے اسکی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں"

[2] سورہ حٰمٓ سجدہ کی آیت ہے کہ "اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے.

[3] ایک حرام پرندہ جسکی چونچ میں بانسری کے سے سوراخ ہوتے ہیں. جب وہ بولتا ہے تو بانسری کے مختلف سروں کی سی آوازیں اس سے نکلتی.

[4] ایک حدیث قدسی کی تلمیح کہ. خدا فرماتا ہے کہ بندہ جب قرب فرائض (یعنی فرض پر عمل) کے بعد نفل عبادت سے بھی میرا قرب ڈھونڈھتا ہے تو میں اسکی آنکھ کان اور ہاتھ بنجاتا ہوں کہ (دیکھو ص ۲۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفیہ سراج

۱- شیخ عطارؔ نے قصیدہ لکھا — ترجمہ یوں سراجؔ ہے کرتا

۲- کھول تو آنکھ، دیکھ یار کا حسن — بام و در سے ہے کیا پھٹا پڑتا

۳- وہ تو کہتا ہے "میں تجھی میں ہوں" — وہم میں پڑ کے خود تو دور رہا

۴- مجھ سے سُن یہ نگار و نقش ہیں سب — "ہے وہ سب کو محیط" کا جلوا

۵- تو ہے کوتہ نظر جوان سب پر — نت نئے نام رکھ کے گانے لگا

۶- جانور کی صفات میں رہ کر — کب تک احمق کی طرح جھجکے گا

تو وجود و شہود میں واحد — صاف صاف اسکو کیوں نہیں کہتا

۷- سرو قد ہے وہ سامنے موجود — سر جھکائے ہے تو ہی نرگس سا

۸- سرمہ "بی یُبصِرُ" کا تو اک بار — دھند کی آنکھوں میں اپنی لگو لگا

۹- پھر وہ محبوب لاشریکَ لہٗ — آگے پیچھے، اِدھر اُدھر ہر جا

۱۰- دل میں ظاہر میں نیچے اور اوپر — تجھ پہ رُخ سے نقاب اُٹھا دیگا

(بقیہ ص۲۵) پھر وہ میرے ہی ذریعہ سے ہر چیز کو دیکھتا، سنتا اور پکڑتا ہے۔ یہ قربِ نوافل ہے جو قربِ فرائض سے کم درجہ کی چیز ہے لیکن قربِ فرائض کے ساتھ تو قربِ نوافل کا درجہ بس نورٌ علیٰ نور ہے۔

۱۱- "ثَمَّ وَجْهُ اللّٰہ"[1] آیدت بنظر	"وَهُوَ مَعَكُمْ"[2] نمایدت دیدار
۱۲- کاروانِ "نَفَخْتُ مِن رُّوحِي"[3]	به سرائے تو می کشاید بار
۱۳- ایں تماشا بجو بنگری گوئی	لیس فی اللّٰہ ار غیرہ دیار
۱۴- احد است او اگر تو بشماری	واحدیت رساندت به ہزار
۱۵- ہمہ یک قطرہ است ایں دریا	ہمہ یک دانہ است ایں انبار
۱۶- اسپ و فیل و پیادہ و فرزیں	بر تن واحد آں سپہ سالار
۱۷- ہر چہ می بینی از جماد و نبات	وا ز وحوش و طیور و ہر جاندار
۱۸- ایں ہمہ ذاتِ پاکِ یزدانست	می کند جلوہا به ایں اطوار

[1] سورہ بقرہ کی آیت کہ "جدھر بھی رخ کروگے ادھر بس اللہ پاک ہی ذات (بغیر حلول اور محدودیت کے) موجود ہے۔"

[2] سورہ حدید کی آیت کہ "اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی رہو"

[3] سورہ ص کی آیت کہ جب میں آدم کے پتلے میں اپنے حکم کی خاص روح پھونک دوں تو اے فرشتو تم (اسکا حکم بجالانے کے وعدہ کے لئے) اسکے سامنے جھک جانا۔ (دیکھو ص ۲۱)

۱۱۔ پھر تو دیکھے گا "حق کو ساتھ اپنے" — ذاتِ حق ہی نظر پڑے ہر جا
ذات وہ، عکس تو، وہ نور، تو ظل — ہے وہ ظاہر تو مظہر اک اس کا
۱۲۔ قافلہ "رازِ نفخِ روح" کا پھر — خود ترے در پہ آکے اترے گا
اِبتدا اِنتہا پہ ڈال نظر — حدِّ اوسط کا اعتبار ہی کیا
ہے عدم، دو عدم کے بیچ وجود — "ظہر بین العدمین" دم ہے بنا
یوں ہی پہلے وہ اک خدا تھا فقط — سب سے آخر بھی وہ خدا ہوگا
وسط بھی جب "نَفَختُ رُوحی" ہے — بول! انکار اب بھی وحدت کا؟
۱۳۔ جب یہ دیکھو گے تب کہو گے کہ ہاں — نہیں عالم میں کوئی اس کے سوا
۱۴۔ اک ہے وہ جیسے ہوا کا ئی ایک — لاکھ میں ہے وہ لاکھ بار آیا
اَحدیّت بس ایک ہونا ہے — واحدیت ہے لاکھ میں ہونا
۱۵۔ ہے تو یہ ڈھیر، پھر بھی دانہ ہر ایک — ایک ہی قطرہ ہے یہ کل دریا
۱۶۔ گھوڑا، ہاتھی، وزیر اور پیدل — سب ہوں پر اک ہے بادشاہ انکا
۱۷۔ دیکھتے ہو جو تم جماد و نبات — وحشی ہو، جانور ہو، یا چڑیا
۱۸۔ ذاتِ حق کا یہ سب کرشمہ ہے — جو ہر اک رنگ میں ہے جلوہ نما
حکمت اِسکی "تعارفوا" ہے فقط — ہے یہ کثرت میں درسِ وحدت کا

(بقیہ ص ۳۰) ؂ اس گھر (دنیا) میں اسکے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔

؂ صوفیہ کی اصطلاح میں بالکل اکیلے کو "احد" کہتے ہیں لیکن تعدد اور کثرت میں سے ایک ایک فرد کو واحد کہتے ہیں۔

؂۔ کائنات کی یہ کثرت اور تعدد مخلوقات کا یہ تنوع پھر انمیں انسان کا یہ امتیاز یہ سبھی میرے نزدیک درِ اصل معرفتِ نفس اور معرفتِ حقوق و فرائض کیلئے ہے۔ "تعارفوا" میں یہ تینوں معرفتیں داخل ہیں۔ ۱۲ سراج

۱۹- می نماید بہ چشم احول تو ❊ شتر و گاو و پیل و اسپ و حمار
۲۰- زاغ و طاؤس و مار و مور و مگس ❊ بلبل و قمری و چکاوک و سار
۲۱- کافر و گبر و ملحد و مومن ❊ متقی و شقی و بد کردار

۲۲- گر تو علم الیقین[1] بدست آری ❊ سوئے عین الیقین بیابی بار
۲۳- روئے حق الیقین عیاں بینی ❊ شوی از کائنات برخوردار
۲۴- گوئی آنکہ ز خود کہ این "ہمہ اوست" ❊ راحت و رنج و اندک و بسیار
۲۵- پس ز خود گوئی و ز خوشنودی ❊ "لِمَنِ المُلْکُ"[2] ؟ للہ القہار
۲۶- تو بہ این پایہ کے رسی ہیہات ❊ کہ خرت باز ماندہ از رفتار
۲۷- مَن طلبنی وجدنی[3] آمدہ است ❊ عاشقاں را بدستِ اوست قرار
۲۸- مَن رآنی فقد رأی الحق[4] ❊ زیں سبب گفتہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم مختار
۲۹- "مَن عرف نفسہ"[5] نمی فرمود ❊ گر نمی دید حیدرِ کرّار

[1] دیباچہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے ملفوظات میں (د) میں گزر چکا ہے۔

[2] قرآن کی آیت کا اقتباس - یہ بادشاہی کس کی ہے؟ اللہ قہار ہی کی تو ہے۔

[3] صوفیہ کے یہاں یہ حدیث قدسی شائع ہے کہ "خدا فرماتا ہے کہ جو بھی مجھے ڈھونڈھیگا مجھے پالیگا" یہ مضمون صحیح ہے قرآن میں آیا ہے "والذین جاھدوا فینا" جو لوگ ہمارے (رضا کی طلب میں) ہوا کوشش کرتے رہینگے ہم یقیناً انکو اپنے تک پہونچنے کے راستہ پر (جو بعد و انفاس لخلائق ہیں) ضرور چلائینگے (سورہ روم

[4] اس حدیث کے معنی علمائے ظاہر تو یہ لیتے ہیں کہ "جسنے مجھے خواب میں دیکھا تو اسنے واقعی مجھی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا اور میری صورت بنا کر کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتا" مگر صوفیہ اس کے ایک ذوقی اور وجدانی معنی یہ لیتے ہیں کہ "جسنے بیداری میں مجھے دیکھا ہے اس نے (دیکھو ص ۳۳

۱۹۔ آنکھیں بھینگی ہیں تیری جیسے اونٹ — بیل یہ گھوڑا، ہاتھی یہ گدھا
۲۰۔ قمری، چنڈول، مور، چیونٹی سانپ — سارس اور مکھی، بلبل اور کوّا
۲۱۔ کافر، آتش پرست اور دیندار — اور تقی و شقی کا ہے جھگڑا
چشم عارف میں ورنہ یہ کثرت — باقی ہے محض درجہ وحدت کا
۲۲۔ اس کا علم الیقیں جو تو پا جائے — ملے عین یقیں کا تب رستا
۲۳۔ پھر تو حق الیقیں کو بھی پہونچے — پائے پھر کائنات سے بھی مزا
۲۴۔ پھر تو خود بول اٹھے کہ "بس ہمہ اوست" — یہ غم و غش اور یہ کم یہ سوا
۲۵۔ پھر کہے خود ہی "ہے یہ کس کا ملک" — اور کہنے خود ہی "ہے یہ ملک خدا"
۲۶۔ پر تجھے کب نصیب یہ منزل — نفس تیرا تو ہے تھکا مارا
۲۷۔ جو بھی ڈھونڈھیگا پائیگا مجھ کو — چین عشاق کو یہ سن کے ملا
۲۸۔ یہی نکتہ ہے قول نبویؐ میں — "مجھکو دیکھا تو حق کو دیکھ لیا"
۲۹۔ "خود کو پہچان لو" نہ فرماتے — گر علیؓ دیکھتے نہ وہ جلوا

(بقیہ ص۳۲) گویا خدا کو دیکھ لیا" یعنی صوفیہ اس حدیث کے معنی صرف "من بوئے کسے دارم" کے لیتے ہیں ورنہ یہ معنی کہ نعوذ باللہ میں خدا ہوں یا خدا میرے اندر اتر آیا ہے یہ تو کفر صریح ہے۔ صوفیہ اس سے بری ہیں۔

ہے اس کے معنی علما تو یہ لیتے ہیں کہ جس نے اپنی خاکی خمیر۔ گندی پیدائش۔ محتاجی و عاجزی اور موت کو خوب سمجھا اور پہچان لیا اسے یقیناً اپنے سے بالاتر ایک ہستئ قادر مطلق کا قائل ہونا پڑیگا مگر شیخ ایک قدم آگے بڑھکر یہ مطلب لیتے ہیں کہ حضرت شاہ مرداں علی مرتضیٰؓ نے جلوۂ حق دیکھنے کے بعد ہی یہ جملہ فرمایا ہوگا۔

۳۰- رمز "مَن کان ھٰذہ اعمٰی"[1] / نشنوند ایں خرانِ ناہنجار

۳۱- ہر کہ ایں جا نہ دید محروم است / در قیامت ز لذتِ دیدار

۳۲- کار کن کار بیش ازانکہ اجل / بدر آرد ز ہستئ تو دمار

۳۳- چند خواہی نشست صمٌّ بکمٌ / یا بہ دامن بہ صورتِ دیوار

۳۴- منزلِ تو نہ دور نزدیک است / تا بمردی بکن، قدم بردار

۳۵- قاطعانِ طریق در راہ اند / شترِ مستِ تو گسستہ مہار

۳۶- "انا لیلیٰ" بگو اگر مردی / ورنہ چوں ابلہاں سبوئے میخوار

۳۷- بہ چہ معنیٰ "انانیت" کفر است / ہیچ فہمیدی اے نکو کردار

۳۸- خویشتن را نگو منم، یعنی / "مَن رَّآنِی" بگو بہ منبر و دار

. . . .

۳۹- "قل ھو اللہ"[2] وصفِ احمد داں / از میانش ولیک میم بر آر

ا۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت کہ "جو اس دنیا میں وحدانیت کے دلائل دیکھنے سے اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہیگا" مگر شیخؒ چونکہ دولت "وحدۃ الوجود" کے گرویدہ ہیں اسلیے ایک تو وہ اس کے معنی اس دنیا میں دیدار عیانی کے لیتے ہیں، دوسرے ہم تہید ستانِ "وحدۃ الوجود" کو سخت سست فرما رہے ہیں۔ سچ ہے۔ ع۔ "بیانِ تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا۔"

۲۔ یہ مضمون نامناسب اور وحشت انگیز الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اس قسم کے مضامین عوام الناس کے سامنے کہنا ہی نہیں چاہیئے کہ عوام کے بہکنے کا سخت اندیشہ ہے مگر شیخؒ مغلوب الحال اور اس لیے معذور ہیں۔ اسکا مطلب شریعت کے مطابق علمی طرز بیان میں یہ ہے کہ یہاں شیخؒ، خدا اور رسولؐ کے ایک خاص تعلق "ظاہریت و مظہریت" کو بیان کر رہے ہیں۔ حق تعالیٰ اصل و ظاہر ہیں اور حضورؐ مظہر و ظل اور مظہر بھی اول و افضل و اتم و اکمل۔ اس کو صوفیہ کی اصطلاح میں عینیت یعنی با وجود (دیکھو ص ۳۵)

٢٠- جو گدھے ہیں وہ کیسے سمجھیں گے — راز "مَن کانَ فیہ اعمیٰ" کا

٢١- ہوگا محروم دید حشر میں وہ — جس نے اسکو یہاں نہیں دیکھا

٢٢- اس سے پہلے کہ تجھکو موت آئے — مانجھ لے مانجھ اپنے دل کو ذرا

٢٣- گونگا، بہرا رہیگا تو کب تک — پاؤں اپنے سمیٹے بُت آسا

٢٤- تیری منزل تو ہے بہت نزدیک — باندھ ہمت، ذرا قدم تو اٹھا

٢٥- نفس و شیطاں اِدھر ترے رہزن — بے مہار اونٹ اُدھر ترا بہکا

٢٦- یا "انا لیلیٰ" و "انا الحق" کہہ — ورنہ احمق سا بیٹھ سر کھجلا

٢٧- کچھ سمجھتا بھی ہے مرے پیارے — کفر ہے کس لیے "انا" کہنا

٢٨- اپنے کو "میں" نہ کہہ مگر یوں کہہ — "مَن رآنی" نبیؐ نے جیسے کہا

وحدت اس میں بھی ہے تو غور سے دیکھ — پر نہیں ہے بہ صورت دعوا

٢٩ "قُل ھُوَ اللہ" بھی وصف احمد ہو — "عینیتؔ" میں جو میم دے تو ہٹا

(بقیہ فٹ ٢٤) تغایر کے ایک قسم کی وحدت کہا جاتا ہے۔ جیسا ہم تعلیم الدین مولفہ حضرت تھانویؒ کی عبارت دیباچہ میں لکھ آئے ہیں۔ پس شعر کا سادہ صحیح مطلب یہ ہے کہ "حضورؐ کے اور خدا کے درمیان اگرچہ تغایر ہے جیسا احد اور احمد کے میم کا فرق صاف بتا رہا ہے، لیکن دونوں میں ظاہریت اور مظہریت کا یا اصلیت اور ظلیت کا تعلق ہے اور حضورؐ کے مظہر اجل اور ظل اعلیٰ ہونے کے باعث وہ تعلق اس درجہ قوی ہو کہ اسکو ہم عینیت یعنی باوجود تغایر کے ایک قسم کی "شدید وحدت" کہہ سکتے ہیں۔ مولاناؒ فم بھی حق تعالیٰ اور حضورؐ کی اسی نسبت کے متعلق یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ ؏ گر دو پنداری قبیح آمد نہ خوب۔ مگر یاد رہے کہ خالق و مخلوق عبد و معبود میں "لغوی عینیت" اور ذات و صفات کی وحدت ماننا کفر صریح ہے، والعیاذ باللہ منہ۔

ؔ- حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "مواخذہ "انا" پر ہے اس کو محو کرگئے اور "نبی منطق" ہو جائے تو مواخذہ جاتا رہے یہ محو ہستی بحر محمود ہے اور دعوائی محض "دعوائے مذموم" (امداد المشتاق ق ١٠)

ؔ- عینیت ایک اصطلاح صوفیہ ہے یعنی باوجود تغایر ذات کے ایک خاص تعلق کا اعتبار کرلینا (تفصیل کے لئے دیباچہ دیکھو)۔

. . . .

۴۰۔ ایں سخن در تو کے کند تاثیر — دارد آئینۂ دلت زنگار

. . . .

. . . .

حکایت

۴۱۔ روزے از روزہا کلیم اللہ — خواست مرشد ز ایزدِ دادار

. . . .

۴۲۔ شد ندائے برائے او، کہ برو — پیشِ ابلیس مفسداں سالار

. . . .

. . . .

۴۳۔ راہ طے کرد و سر بہ حکم نہاد — رفت در پیشِ آں لعین ناچار

۴۴۔ گفت "خواہم من از تو ارشادے — اے تو در راہِ عشق پاک عیار

۴۵۔ یعنی ایزد، برائے ارشادم — بر سر تو نہاد تاج مدار

۴۶۔ زیں سخن ہمچو شعلہ سر پیچید — جست و برجا نشست ہمچو شرار

لہ صوفیہ عموماً قصص و احادیث کے اختیار میں زرا بے احتیاط ہوتے ہیں بعض باتیں جو خود انکے قلب بصفا پر الہام ہوتی ہیں وہ غلبہ حال میں حدیث کہہ گزرتے ہیں حالانکہ وہ علماء ظاہر کے علوم والی معیاری حدیث نہیں ہوتی بعض وقت وہ کوئی حدیث یا حکایت کسی سے سنتے ہیں تو حسن ظن کے غلبہ کے باعث نہ اس سے سند کا مطالبہ کرتے ہیں نہ اسکی تحقیق کرتے ہیں اور صحیح مان کر اسکو بیان کرتے اور اس سے بہت سے علوم اعتباریہ پیدا کرتے ہیں جو غلط نہیں ہوتے اسی طرح کی یہ حکایت بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ (دیکھو ورق ۲)

میم ہٹ جائے تب ہے "عینیت" | "عینیت" اصل وظل کا ہے رشتا
۴۰۔ پُر یہ تیری سمجھ میں کیا آئے | دل تو ہے تیرا زنگ آلودا
آگے اک بے سند حکایت ہے | سچ ہے یا جھوٹ کچھ نہیں ہے پتا
شیخ لکھتے ہیں اس لئے میں بھی | چند توجیہیں کرکے ہوں لکھتا

حکایت

۴۱۔ حق تعالیٰ سے موسیٰؑ نے اکدن کی عرض | رہنما کوئی مجھ کو کیجے عطا
گو تھے موسیٰؑ رسول واعلم عصر | پھر بھی کہتے تھے "رَبِّ زِدْ عِلْما"
۴۲۔ حق نے فرمایا "سیکھنا ہے تو آج | جاؤ شیطاں کے پاس اے موسیٰؑ
بات کچھ ہوگی جسپہ حق نے انھیں | اک نیا علم سیکھنے کو کہا
تا کہ اس کا بھی راز جان سکیں | جیسے سیکھا تھا خضر سے نکتا
۴۳۔ حکم تھا پہونچے اس لعیں کے پاس | جب حضرتؑ نے اپنے دل پہ سہا
۴۴۔ بولے کیا خاص عشق ہے تجھ میں | کچھ مجھے بھی تو اس کا راز بتا
۴۵۔ آج اس کے سکھانے کا حق نے | تاج تیرے ہی سر پہ ہے رکھا
۴۶۔ سُنکے شیطاں نے بل پہ بل کھائے | شعلہ کی طرح لپکا اور دبکا

(بقیہ ص ۲) خدا سے کسی مرشد کے ملنے کی درخواست کرتے ہیں۔ اسکی تاویل احقر نے یوں کردی ہے کہ جس طرح ایک بار حضرت خضرؑ کے پاس اللہ نے ایک علم سیکھنے بھیجا تھا حالانکہ خضرؑ کا درجہ حضرت موسیٰؑ سے کم تھا۔ ایسے ہی ابلیس کے پاس بھیجا۔ درخواست کی توجیہہ یوں کی ہے کہ جس طرح ہمارے حضورؐ "رب زدنی علما" کہتے رہتے تھے اسی طرح حضرت موسیٰؑ بھی مانگتے ہونگے۔ واللہ اعلم۔

۴۷- گفت من از دم ازل دارم | طوق لعنت بہ گردن ادبار
۴۸- تو کلیم اللہی نہ داری ننگ؟ | تو ندیم اللہی نہ داری عار
۴۹- کہ ز مکن چشم داری این معنیٰ | کہ بہ من بر نویسی این طومار
۵۰- مَن کجا و طریق این احکام | من کجا و سبیل این اطوار
۵۱- مَن پلنگم، پلنگِ عصمت دَر | من نہنگم، نہنگ نیکی خوار
۵۲- راہ و رسم ضلالت از من پُرس | مفسداں را منم سپہ سالار
۵۳- بہ زبان نیاز بازش گفت | کاے تو در راہِ عشق خوش رفتار
۵۴- دَرس کرو بیان تو می گفتی | نکتہ ہم برائے من بگمار
۵۵- بہ تکلم در آمد و بہ گشود | لب گوہر فشانِ و شکر بار

لہ یہاں ابلیس میں عشق خداوندی کا ذکر سنکر اُسے "عارفِ عاشق" اور موحد کامل سمجھنا سخت غلطی ہے جیسا بعض اردو شعرا نے دھوکہ کھا کر اسے "موحد اعظم" کا لقب دیدیا اس عشق سے مراد عشق تکوینی ہے یعنی پیدائش کے سلسلے میں خدائی حکم کی تعمیل۔ اگر غلام کے دل میں آقا کی محبت و عظمت زرا بھی نہ ہو تو وہ اس کے کسی حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا اور ابلیس نے ایک حکم خدا کی تعمیل (اور وہ بھی بسلسلۂ پیدائش) کی تھی جیسا آگے آئیگا۔ اس لئے مجازاً اسے عشق کہدیا ورنہ عرفا محققین کا قول ہے کہ ابلیس صرف عارف تھا عاشق نہ تھا۔ یعنی اگر عاشق ہوتا تو جس طرح ایک حکم "کن" کی تعمیل کی تھی دوسرے حکم "اسجدوا" کی بھی تعمیل کرتا۔ چنانچہ آگے "بعض" کہنا اسکی دلیل ہے شرع میں عشق اضطراری و تکوینی کا نہیں بلکہ اختیاری و تشریعی کا اعتبار ہے اور عشق تشریعی جنمیں ہے انھیں کو عُشاق کہنا چاہیئے۔ خدا نے فرمایا "والذین آمنوا اشدُ حباً للّٰہ" ایک بندہ پر خدا کا حق اور فرض ہے کہ اسے حق تعالیٰ کا اتنا عشق اختیاری ضرور ہو کہ فرائض کا ارتکاب اور محرمات سے اجتناب کر سکے یہ قُربِ فرائض ہے اسکے بعد زائد نوافل زائد محبت پر دلالت کرتی اور (دیکھو ص۴۳

٤٧- بولا میں تو ازل سے ہوں خود ہی ڈالے گردن میں طوق لعنت کا
٤٨- تم کلیم خدا ہو، شرم کرو تم ندیم اُسکے ہو، یہ کہتے ہو کیا؟
٤٩- جاؤ موسیٰ تم اپنا کام کرو تم کو مجھ سے امید شرح وفا
٥٠- میں کہاں اور کہاں تمہاری شرع میں ہوں شیطاں چلوں وہ راہ بھلا
٥١- پارسائی کا میں درندہ ہوں میں ہوں گھڑیال نیکیاں کھاتا
٥٢- مجھ سے پوچھو فریب کی راہیں میں شریروں کا افسر اعلا
٥٣- سیکھنا تھا تو موسیٰؑ نرمی سے بولے "کیا عشق خاص ہے تیرا؟
٥٤- کوئی نکتہ مجھے بھی بتلا دے تو فرشتوں کو درس دیتا تھا
٥٥- سن کے تعریف پھول اٹھا ابلیس بولا "اچھا تو پھر سنو موسیٰؑ

(بقیہ ؂٤٣) قرب نوافل کے حریم خاص تک پہونچاتی ہیں۔ ١٢ سراج۔

؂ - ابلیس کے لئے لب گوہر فشاں وغیرہ کے الفاظ اسکی چند سچی باتوں کی انتہائی قدردانی میں استعمال ہوئے۔ ابلیس کبھی کبھی کسی بزرگ سے سچی بات بھی کہہ جاتا ہے۔ جیسے حضرت ابو ہریرہؓ کو ایک بار یہ تعلیم دے گیا تھا کہ سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو۔ اور ایک بار حضرت امیر معاویہؓ کو تہجد کے لئے اُٹھا دیا تھا اور وہ سچی بات کہنا پھول اٹھنے سے ہوا۔ ١٢ سراج۔

؂ حضرت موسیٰؑ اور ابلیس سے زبانِ نیاز سے گفتگو کریں اسکی توجیہہ یہی ہو سکتی ہے کہ انھوں نے اپنی طرف سے آداب متعلّمی ہی ظاہر کیئے۔ ١٢ سراج

؂ - ابلیس نے اپنے متعلق جو یہ جملہ سنا کہ تو فرشتوں کو درس دیتا تھا اس غرور میں پھول اٹھا اور ایک جوش اور روانی کے عالم میں بے اختیارانہ کچھ صحیح حقائق اسکی زبان سے نکلنے لگے۔ ١٢ سراج۔

۵۶ منؔ مگو گفت تا چو من نہ شوی — ایں سخن راز من بہ خاطر دار

. . . .

۵۷۔ یعنی اوّل چو من شوی اے مرد — زخم او را بہ سینہ بیار
۵۸۔ چوں شدی ہمچو من بر ویس از اں — ہر چہ خواہی بگو و باک مدار

. . . .

. . . .

. . . .

؎ قرآن میں ابلیس کا قول "انا خیر منہ" موجود ہے یعنے اس نے کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ یہاں اس مصرعہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جب تک مجھ جیسے نہ بن تو "انا" نہ کہنا۔ میں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ دوسرے یہ کہ دیکھو تم بھی منہ سے "انا" نہ کہدینا ورنہ میری طرح راندے جاوگے" حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں "مواخذہ انا پر ہے اسکو محو کرے ..... دعوائے محض دعوائے مذموم، تو بھی اگر قصور ہو جائے اپنی طرف نسبت کرے یہ ادب ہے۔ کآدم علیہ السلام و ایاز الغلام (امداد المشتاق ص۱۱۰)

۵۶. جب تلک بن نہ جاؤ مجھ جیسے — یاد رکھنا "انا" نہ کہہ دینا

تھی "انا" اور "کبر" میری خمیر — اس لئے میں نے کہہ دیا تھا "انا"

۵۷. تو مجھ جیسے یعنی "یار" کا وار — نہ "بیر" بلکہ سینہ پر لینا

۵۸. ہو جو مجھ جیسے تب جو چاہو کہو — نہیں میری طرح تو پھر بچنا

سنو! تکوین کا ایک قصہ ہے — اور وہی میرا عشق ہے موسیٰ

پر مری اسمیں کچھ نہیں تخصیص — وہی میں نے کیا جو سب نے کیا

"تو مخلوق حسب استعداد" — حکم "کن" میں یہی تھا حق نے کہا

---

۱ یہاں سے مسلسل ۷۸ اشعار اضافہ کرنے پڑے اور یہ سب شیخ کے اس مصرعہ ع یعنی اول چون شوائے سرہ مرد ۔ کے اجمال کی شرح ہے اور ضروری ہے۔ اس میں حق تعالیٰ نے میری فطری اور ظاہری نادانی پر رحم فرما کر میرے پیر و مرشد مدظلہ العالی کے فیوض باطنی اور امداد روحانی سے میرے قلم سے الحمد للہ ثم الحمد للہ بہت سے حقائق و نکات علمی و تفسیری بھی ادا کرا دیئے ہیں جو ابلیس سے کہلائے ہیں ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل — نسیم صبح! تیری مہربانی

ابلیس کی اس تفصیلی تقریر کے بعد البتہ موسیٰ کا اسکے پاس جانا موزوں بن گیا ہے۔

۲ ۔ "کن فیکون" کا مطلب عموماً سمجھا تو یہ جاتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا معمول تو یہ ہے کہ وہ جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں اسکو کہہ دیتے ہیں ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے" گویا آن کی آن میں فوراً ہو جاتی ہے۔ مگر میرے نزدیک اسکے یہ معنی غلط ہیں۔ اسمیں مفاجات اور اچانک ہونے پر دلالت کرنیوالا کوئی لفظ نہیں۔ اگرچہ وہ بھی اللہ کی قدرت میں ہے۔ اس آیت کے معنی میرے نزدیک یہی ہیں کہ "اللہ جس چیز سے کہتا ہے کہ تو اپنے ضروری تقاضوں اور لوازم اور استعداد کے مطابق بنجا تو پھر اسکو ہو جانا پڑتا ہی ہے پھر وہ چیز اسکے حکم سے تخلف نہیں کر سکتی اور ضروری تقاضوں میں اسکی مادی مدت بھی داخل ہو مثلاً انسانی بچہ کی پیدائش کیلئے ۹ ماہ۔ خلق سماوات وارض میں ستۃ ایام کی قید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

پھر زمیں آسمان نے وہ حکم — طائعین کہکے دل سے مان لیا
تھے جو نوری بنے وہ پیکرِ خیر — خاکی جو تھا خلیفہ حق کا بنا
میں تھا ناری تو بنگیا سر کش — پیکرِ شر مجھی کو بننا تھا
میں نہ کیوں مانتا خدا کا وہ حکم — جب کسی نے بھی کی نہ چون و چرا
یوں ملک خیرِ محض ہیں شرِ محض — اور کوئی خیر و شر کا جامع تھا
وقتِ تعلیم حق نے بتلائی — خاصیت - نام - صورتِ اشیا
آدم، ابلیس اور ملک بھی تو تھے — پُر خواص اور داخلِ اسما،
عام تعلیم انکی دے کے انھیں — حق نے چاہا یہ علم ہو پختا
نہی "ھٰذہٖ اعدو" کی خاکی کو — ملک و جن کو امر سجدے کا
اس لئے تھا کہ علم تجربتی — اسکو پختہ ہو جو خلیفہ تھا
تاکہ آئے خلیفہ دنیا میں — لے کے "بعض عدو" کا بھی نکتا

---

[1] سورہ حم سجدہ میں ہے کہ خدا نے ارض و سما سے فرمایا خوشی سے یا جبر سے (حسب استعداد) بنکر آجاؤ تو دونوں نے کہا لیجئے سرکار ہم دونوں خوشی خوشی استعداد کے موافق بنکر یہ حاضر ہیں۔

[2] یہ اس نے کنایہ کیا ہے آدم سے چونکہ وہ آدم کا دشمن ہے اسلئے نہ انکا نام لینا چاہتا ہے نہ انکی تعریف کرنا چاہتا ہے۔ تعریف کی بات میں بھی کوئی نہ کوئی ذم کا پہلو نکالکر بیان کرتا ہے جیسا آگے ہے۔

[3] میرے نزدیک آدمؑ کو اصل نہی یہ تھی "ھٰذا عدو لك ولزوجك فلا یخرجنکما من الجنة" رہی دوسری نہی لا تقربا کی تو اول تو ابتلا اور امتحان کے لئے تھی جیسا حاشیہ بیضاوی میں ہے اور ابن کثیر (ج۱ص۹۰) نے تو صاف لکھدیا فهو اختبار من اللہ تعالیٰ وامتحان لآدم دوسرے وہ شجر ممنوعہ سے کھانا تو خود نتیجہ تھا اسی پہلی نہی ھٰذا عدو لك کا۔

[4] قرآن میں ہے بعضکم لبعض عدو یعنی جاؤ اور یہ تجربہ لیکر جاؤ کہ تم میں کا ہر ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔

کھلی اُس دم صلاحیت سب کی — جس میں جو مادّہ تھا وہ ابھرا
مَلَک آدم، بلیس کے بھی خواص — کھلے دوران "عَلَّمَ الاَسْمَآءَ"[1]
گویا جتاب، انا، زبان کا وزن — پیر آتش نے سب کو دکھلایا
کشمکش زیست کی ڈرامہ ہے — اس ڈرامہ کا وہ ریہرسل تھا
دیکھ لی سب نے خاصیت سب کی — ہوگیا سب کو تجربہ سب کا
ہر طرح[2] کی عبادت اور نیکی — ہر فرشتہ مجھے[3] سکھاتا تھا
ہیں ملائک کو، گو وہ بہکے نہیں — معصیت اور شر[4] بتاتا تھا

---

[1] یعنی جب اللہ نے آدم کو جملہ اسما کی صورت اور مسمیٰ دکھا کر انکے نام اور انکے خواص کی تعلیم زبانی دی تو چونکہ آدم، ابلیس اور ملائک بھی اسما میں داخل تھے انکے نام اور خواص بھی زبانی بتائے لیکن چونکہ یہ اہم مخلوقات تھیں اسلئے عام اشیا کی تعلیم زبانی کیطرح انکی تعلیم زبانی دینے کے بعد تجربہ بھی کرا دیا۔ گویا دنیا میں زندگی کی کشمکش کا جو ڈرامہ ہونیوالا تھا انکی مشق اور نمونہ دکھا دیا[2] یہاں پانچ شعروں میں فرشتوں کے خواص (خود نیکی کرنا۔ دوسرے کو نیکی سکھانا۔ بے غدر حکم سجدہ کی تعمیل کرنا) آدم کے خواص (الانسان حریص علی ما منع۔ حیا و خجلت۔ توبہ و انابت) اور ابلیس کے[3] خواص (کبر۔ حسد۔ تلبیس۔ گناہ پر اصرار) بیان ہوئے ہیں[4] شیطان کے متعلق یہ جو مشہور ہے کہ وہ فرشتوں کا استاد (معلم الملکوت) تھا جیسا شیخ بھی لکھ گئے ہیں صحیح نہیں۔ اگر فرشتوں کو شیطان کا شاگرد مان لیا جائے تو پھر تو تمام صحف آسمانی خاصکر قرآن پر سے امان و اطمینان اٹھ جائے کہ خدا کے پاس سے لانیوالے فرشتوں نے اپنے استاد ابلیس کی شاگردی سے نہ جانے کیا کچھ اسمیں آمیزش کر دی ہو جیسے بعضے کافر اور گمراہ جماعتیں کہتی ہیں اصل یہ ہے کہ وہ تو خود فرشتوں کا شاگرد تھا انھیں سے عبادتیں سیکھ سیکھ کرتا تھا۔ میرے نزدیک یہ لفظ متعلم الملکوت تھا (فرشتوں کا شاگرد) غلطی سے معلم پڑھ لیا گیا۔ اب اگر شیخ کے قول کی توجیہہ کیجائے تو وہی ہو سکتی ہے جو احقر نے کی ہے یا پھر نقلی توجیہہ یہ کہ ابن کثیر ج ا ص ۹۰ پر ہے کہ شیطان نے آدم کا پتلہ دیکھ کر فرشتوں کو سکھایا (؟) تھا وہ بوہ" دیکھو اس سے دبنا مت۔ ۱۲ سراج

یہ تو پہلے تھا اور حکم کے وقت ۔۔۔ سجدہ بے عذر ہر مَلک نے کیا
حرص "ممنوع" و "خجلت" اُس میں تھی ۔۔۔ کبر و اصرار میرے اندر تھا
میں خطا پر جما بھی ۔ اور "اُس" نے ۔۔۔ ایک لغزش میں بول دی توبا[1]
اے ڈرامہ کے شاہ ! ہنستے ہو ۔۔۔ پارٹ تھہدے کا دوست کھیل نہ تھا
لعنتوں نفرتوں کی بوچھاریں ۔۔۔ جس نے سہہ لیں جناب وہ میں تھا
میٹھا میٹھا ہڑپ کیا سب نے ۔۔۔ تھا یہ میں ، جس نے پی لیا کڑوا
ہاں ! تو تھا عشق سب کا تکوینی ۔۔۔ وہی میں نے کیا جو سب نے کیا
شرع کا عشق اختیاری ہے ۔۔۔ عشق تکویں تو اضطراری تھا
اضطراری نہ معتبر نہ مثاب ۔۔۔ اختیاری جو ہو تو کیا کہنا
میں نہیں تھا " موحّدِ اعظم ۔۔۔ سجدے رکنا عشق رب میں نہ تھا
تمنے پوچھی جو تھی وہ بات یہ تھی ۔۔۔ ہاں مگر اتنا اور سن لو زرا
میں نے سجدہ نہیں کیا اُس نے ۔۔۔ گیہوں کھایا ، یہ سب گناہ نہ تھا[2]
پس "ابیٰ" ہو کہ "ہو عصیٰ و نسیٰ" ۔۔۔ دونوں اظہارِ خاصیت میں تھا[3]

---

[1] یہاں بیچ کا ایک جملہ حذف کر دیا گیا ہے کہ ابلیس کے اس کہنے پر کہ ایک لغزش میں بول دی توبا ۔ گویا حضرت موسیٰ کو ہنسی آگئی کہ آدم کی صفتِ توبہ کو کسطرح ذم کے پہلو کیساتھ بیان کر رہا ہے بس انکا ہنسنا دیکھکر یا تو بڑے جوش و روانی سے درستی ہوش کی باتیں کر رہا تھا یکایک افروختہ ہو کر خود ستائی اور دوسروں پر طعن کرنے لگا ۔ ۱۲ سراج ۔

[2] یعنی آدم کا اصل گناہ گیہوں کھانا نہ تھا گیہوں تو انکو کھانا ہی تھا انکا گناہ ابلیس کے فریب اور قسم کو سچ سمجھ لینا تھا اسی طرح ابلیس کا اصل گناہ سجدہ نکرنا نہیں تھا وہ تو بعض وقت قلتِ فہم سے بھی ممکن ہے ۔ ۱۲ سراج ۔

[3] "ابیٰ" سے مراد ابلیس کا گناہ انکار اور "عصیٰ و نسیٰ" سے مراد آدم کے دو گناہ یعنی "عصیٰ" سے مراد آدم کا اصل گناہ کہ ابلیس کو خیر خواہ سمجھ بیٹھے اور "نسیٰ" سے مراد گیہوں کھانا جو بغیر ارادہ گناہ کے فریب میں آجانے سے ہوا ۔ ۱۲ سراج

"وہ" بنا تھا زمین ہی کے لئے — وقت سے پہلے میں نے بھجوایا[1]
میں "ابیٰ" پر نہیں بنا ملعون — نہ "انا" پر تھا کفر کا فتوا
نہ تھا منشا "ابیٰ" کا قلتِ فہم — وہ جو ہوتا معاف ہو جاتا
"انا" کہنا مرا بھی یوں سمجھو — کل ملائک نے جیسے "نحن" کہا[2]
میں جو ہے راندہ گیا وہ جرم تھے یہ — ایک تو "اُس" پہ میں نے کبر کیا
حق کو "اَغْوَیْتَنِیْ" کہا میں نے — سجدہ مفضول کا بتایا خطا
مجھے لازم تھا حکمِ حق سن کر — کر کے ہمت "خودی" مٹا دیتا
عشق سے کاش میں بھی اپنے کو — عاصی کہتا ادب سے جھک جاتا
"اس" نے گیہوں جو کھا لیا تو یہ فعل — نہ سہی واں، کہیں تو جائز تھا
کبر لیکن کہیں کسی صورت — ق — کسی مخلوق کو نہیں زیبا
"اسکی" باہی خطا تھی بخشی گئی — جاہ کی چاہ نے مجھے مارا
آہ! بہکا میں نفس کے ہاتھوں — خیر جی! اب تو جو ہوا سو ہوا

لہ یہ ایک بڑے اشکال کا آسان ترین حل ہے کہ ایک طرف تو اللہ نے آدمؑ کو زمین ہی کے لئے پیدا کیا تھا، چنانچہ اسی زمین کی خاک سے انکا پتلہ بنا اور خود ہی فرمایا انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ مگر دوسری طرف اللہ ہی یہاں یہ بھی فرماتے ہیں فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقیٰ جس کا حاصل یہ ہے کہ آدم کا جنت سے نکلنا بدبختی بھی ہے۔ یہ تھا اشکال حل یہ نکلا کہ ابلیس جانتا تھا کہ آدم کو زمین ہی پر جانا ہے مگر جب تک جنت میں رہیں گے عزت سے رہینگے اور عزت ہی سے دنیا میں اتریں گے ایسا کچھ کرنا چاہیے کہ کچھ وقت پہلے ہی انکا آرام انکی عزت ختم کر دو۔ کیونکہ اور کچھ تو دشمنی انکی اب میں کر نہیں سکتا لاؤ اتنا ہی سہی والحمد للہ علیٰ ہٰذا العلم ۲ہ یعنی جسطرح ملائک نے کہا تھا "نحن نسبح بحمدک" تو اسمیں انکا "نحن" کہنا بھی اسی طرح کی انانیت رکھتا ہے، جیسے میرا "انا" کہنا۔ پس "انا" کہنا غلط نہیں (دیکھو ص ۴۶)

۵۹- چوں شنید ایں سخن از موسیٰؑ — گفت از راہ عجز والاکسار

۶۰- ہر چہ گفتی برفت از انصاف — ایں سخن از تو اے مِلک عیّار

. . . .

. . . .

. . . .

۶۱- عینِ آبیم ما و او با ما — بہم آمیختہ شکر کردار

۶۲- نام خود را چگونہ آب بریم — زانکہ با شر بتیم شکروار

(بقیہ ص۴۵) کا تن کبر نہوتا۔ ۳؎ یعنی میں سجدہ سے انکار پر تو ملعون نہیں ہوا البتہ اس انکار کے علاوہ مجھ سے جو دو گناہ ہوئے ہیں اُن پر میں راندہ گیا وہ تین ہیں ایک کبر اور پھر اس پر اصرار اور اَڑ کہ خدا کی ناخوشی دیکھکر بھی میں نے تعمیل نہ کی ۴؎ دوسرے میں خدا سے گفتگو میں یہاں تک کہہ گیا کہ فبما اَغویتنی لاقعدن صراطک المستقیم (ترجمہ) چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے تو مجھے بھی قسم ہے کہ میں تیری صراط مستقیم پر آکر بیٹھونگا اور انہیں بہکاؤنگا۔ ۵؎ تیسرا گناہ یہ کہ میں نے خدا سے کہا ءاسجد لمن خلقت طینا بھلا میں اور ایسے کو سجدہ کروں جسے تو نے ذلیل مٹی سے بنایا ہے گویا آپ ذرا اپنے حکم پر نظر ثانی کیجیے یہ حکم غلط معلوم ہوتا ہے ۶؎ جیسے آدم نے آنسو بہا کر گردن جھکا کر اعتراف جرم اور طلب مغفرت کر لی تھی۔ ۷؎ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک طبعی اور باہی اور ایک نفسی اور جاہی۔ آدم نے گیہوں کھایا یہ شہوت شکم سے ہوا جسکے باعث آگے چلکر شہوت فرج کی نوبت پہونچی مگر شہوت شکم اور شہوت فرج دونوں طبعی اور باہی گناہ ہیں لیکن ابلیس نے آدم کو ذلیل سمجھا یہ نفسانیت اور کبر سے ہوا جسکے باعث آگے چلکر کفر کی نوبت پہونچی یہ نفسی اور جاہی گناہ ہے یہ فرق تھا دونوں گناہوں میں۔ اسی سے حدیث میں غیبت کو زنا سے بدتر کہا ہے کیونکہ زنا باہی گناہ ہے اور غیبت جاہی ۸؎ اوپر سے درستی کی باتیں کرتے کرتے یکبارگی شیطنت کی آگ بھڑکی۔ ۹؎ یہ عجز و انکسار خشیت حق سے تھا کہ دیکھو ہر مخلوق کس طرح اپنے منشائے تخلیق کو پورا کر رہی ہے ایک ہم انسان ظلوم و جہول ہیں کہ اپنے منشائے تخلیق عبادت حق کو پورا (دیکھو ص۴۸)

۵۹۔ سُن کے موسیٰؑ نے اس سے یہ باتیں — خشیت حق سے ڈر کے فرمایا
۶۰۔ اے شریروں کے بادشاہ یہ سب — حق و انصاف ہے جو تو نے کہا
تھا تو اسم مضل کا اک مظہر — تجھ میں تھا مادّہ ہی کچھ ایسا
اب بھی توبہ پہ تو نہیں مائل — نفس نے تجھکو خوب بہکایا
جب چلے واں سے یوں ہوا الہام — صدقِ سائل نے اس سے کہلایا
۶۱۔ یار (تکوین میں) ہم بھی پانی ہیں — ہم میں شکر کیطرح ہے وہ ملا
۶۲۔ ہم شکر ملنے سے بنے شربت — پانی کیوں نام رکھیں پھر اپنا

(بقیہ ۵۶) پورا نہیں کرتے۔
۵۷ ۔ عین اور عینیت کے لئے دیکھو دیباچہ عبارت تعلیم الدین ۔ مگر حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے ملفوظ ۱۳۶ میں فرمایا ہے کہ عالم کی خسیس چیزوں کو "حق کہنا بے ادبی ہے"۔
ل یہ مضمون "وحدۃ الشہود" کا ہے یعنی ماسوا کے وجودِ ظلی کا بھی کچھ نہ کچھ اعتبار کرنا۔ تین شعروں میں وحدتِ شہود کا ذکر کر کے ع "جاہو اولے کو نام دو پانی" سے پھر توحید وجودی پر آگئے ہیں۔ توحید وجودی کے قائلین میں سب سے زیادہ حد سے گزرے ہوئے عارفِ کامل حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ ہیں۔ انکے بعد شیخ عطارؒ کا درجہ ہے۔ شیخ کے عہد میں یہ نظریہ بہت عام اور یہ راز معلوم عوام تھا۔ "وحدۃ الشہود" کا نظریہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا ہے ۱۲ سراج۔

۶۳۔ خویشتن را تو در میانہ مبیں | سد اِسکند از میان بردار
۶۴۔ عینِ آبیم گرچہ در ظاہر | می نمائیم لولوئے شہوار
۶۵۔ آب را تو تمام ژالہ نگر | ژالہ را عینِ آب می پندار
۶۶۔ آہ اندر قمار خانۂ عشق | بہ ز منصورؒ کس نہ باخت قمار

۶۷۔ تا تو ہستی خدات در خوابست | چون بہ میری تو، او شود بیدار

لہ جنھوں نے "انا الحق" کہا تھا اصل میں انکا نام حسین بن منصور تھا۔ پہلے ابن منصور مشہور رہا پھر منصور مشہور ہوگیا۔ اب یہ عام غلطی بھی فصیح و درست ہے۔ ۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی نقشبندیؒ کے مرید ابوبکر شبلیؒ کے پیر بھائی تھے۔ منصورؒ کی کرامت سے ایکبار بنولوں کا ایک بڑا ڈھیر آن کی آن میں دُھنکا اُٹھا اسی دن سے حلاج مشہور ہوگئے۔ عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار میں سازش۔ جوڑ توڑ اور ظلم کا دور دورہ تھا۔ حامد بن عباس وزیر تھا اس کو منصورؒ سے کد ہوگئی اس نے منصورؒ کے بعض کلمات اور بعض عبارات پر علما کی رائے لی انھوں نے ان کلمات و عبارات کو کفر بتایا اور منصور کو "حلال الدم" (گردن زدنی) کہا۔ حامد نے علماء سے زبردستی یہ الفاظ لکھوائے۔ پھر اگرچہ منصورؒ نے اپنے الفاظ کے کفریہ مطالب کی شرعی تاویل کردی اور اپنے عقائد صحیحہ ظاہر کیے مگر حامد وزیر نے انکے قتل کا حکم بجال رکھا۔ ۸۔ ۹ برس قید میں رکھکر ۳۰۹ھ ۹۲۲ء میں پہلے ہاتھ پیر کٹوائے پھر قتل کرادیا۔ رحمہ اللہ۔ واضح ہو کہ منصورؒ پر وہ کیفیت اتنی قوی و شدید نہ تھی کہ وہ ضبط نہ کرسکتے۔ اگر یہ چاہتے تو اس حال پر غالب آسکتے تھے۔ مجوب واحد الوجود کی یہ معرفت صرف مغلوب الحال اور بیخود کے لئے معاف ہے۔ لیکن انپر اس راز کا استتار لازم اور افشا اسکا ناجائز تھا۔ انکے پیر بھی انسے کچھ خوش نہ تھے۔ غرض انکو دار و رسن کا معاملہ پیش آگیا۔ بہر حال (دیکھو ق)

گر ڈیا نمکیں جو پانی میں گر جائے　　رہے کیسے وجود آہ اُس کا
۶۳- اپنے کو بیچ میں نہ دیکھ کبھی　　یہ سکندر کی سد ہے اِسکو ہٹا
۶۴- موتی پانی ہے اصل میں لیکن　　نظر آتا ہے موتی بیش بہا
۶۵- جاہو والے کو نام دو پانی　　جاہو پانی کو کہہ دو تم اولا
۶۶- آہ! اِس عشق کے جوئے گھر میں　　صرف منصورؒ نے لیا پالا
تھا تو مجنوں مگر یہ عقل کہ واہ!　　بَر ملا کہہ اُٹھا "انا لیلیٰ"
۶۷- "تو" ہے جب تک تو حق کو سوتا جان　　بس جہاں تو مرا کہ وہ جاگا

(بقیہ ۴۳) چونکہ منصور نے انا الحق کہکر رازِ خداوندی کے پیچھے جان تک دے دی اس لیے اُخروی مواخذہ سے تو بری ہو گئے البتہ شہید عشق کا درجہ اور شہرت عام کی حیات دوام انکو مل گئی ورنہ سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں نجانے کتنے بزرگ ایسے گذرے ہیں جنکا مقام اس توحید وجودی کے غلبہ میں منصورؒ سے کچھ بڑھکر ہی تھا مگر (بقول حاجی صاحبؒ) "جس کو جامعیت نصیب فرمائی شریعت سے باز نہیں رہتا" وہ ضبط کرتے رہے اور اسرار کو ہویدا نہیں کرتے تھے اس لئے اہل دنیا انکو منصورؒ کے درجہ کا شاید ماننا پسند نکرینگے۔ حضرت احمد عبد الحقؒ رودلوی نے فرمادیا "منصور بچہ بود... الخ حضرت حاجیؒ صاحب فرماتے ہیں "حضرت حافظ ضامنؒ صاحب میرے پیر بھائی "مقام منصورؒ" میں چھہ مہینے رہے مگر بسبب توجہ پیر و مرشد کے دم انا الحق کا نہیں مارا کلمات شطحیات زبان پر نہیں لائے"۔
(امداد المشتاق ص ۱۰۹)

۶۸۔ فتمنوا الموت ان کنتم — صادقین آمدہ است در اخبار
۶۹۔ گر بمیری تو پیشتر ز اجل — نہ کند بر تو تیر و خنجر کار
۷۰۔ ملک الموت را شود بہ یقیں — ہمچو سیماب کشتنت دشوار
۷۱۔ توبہ خوف و رجا از آں درگاہ — باز می یابی اے خجستہ شعار
۷۲۔ عشق گر در دلت فروزد شمع — روز روشن نمایدت شب تار
۷۳۔ محو گردی چناں تو از مستی — نشناسی ہمی سر از دستار
۷۴۔ بہ ہمیں دیدہ بنگری ظاہر — صورت خویش را بہ صورت یار
۷۵۔ از زبانت کہ می کند من من — جان من یک زمانکے ہشیار
۷۶۔ دو صفت سر زند ازیں مستی — می طرازم بہ صفحۂ اظہار

لہ۔ سورہ جمعہ کی آیت ہے کہ "اے یہودیو اگر تم محبت خدا کے دعوے میں سچے ہو تو ذرا موت کی تمنا کرکے دکھاؤ کیونکہ موت کے بعد ہی تم اپنے خدا سے مل سکتے ہو۔ قرآن میں تو اس آیت میں ظاہری اور جسمانی موت کا ذکر ہے مگر شیخ اس سے فنا نفس اور موتوا قبل ان تموتوا کا مطلب بھی نکال رہے ہیں اور علم اعتبار کے طور پر یہ مضمون بھی بہت دلکش اور صحیح ہے۔

لہ ایک حدیث کی تلمیح ہے کہ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ یعنی اللہ تعالیٰ (چونکہ آدم کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے اس لئے) آدم کو اپنی طرز ظہور پر پیدا کردیا۔ اپنے ہی جیسے اخلاق پر پیدا کیا شیخ کا مطلب یہ ہے کہ ع۔ اپنے اندر یار کے جلوے نمایاں دیکھئے۔

۶۸۔ ہے یہ ارشاد "کہ تمنیٔ موت" دعوئ عشق میں ہے گر سچّا
۶۹۔ موت سے قبل ہی جو تو مر جائے تیر بھی تجھ پہ بے اثر ہو گا[1]
۷۰۔ مَلک الموت کو بھی ہو دشوار پارہ کیطرح مار رُنا تیرا
۷۱۔ خوفِ غم اور اُمیدِ عیش میں تو درگہِ حق سے خود ہی دور رہا
۷۲۔ جل اٹھے عشق کا جو دل میں چراغ روز روشن سی ہو شبِ یلدا
۷۳۔ بَیر و دستار میں تمیز نہ ہو یوں ہو مستی میں پھر تو دیوانا
۷۴۔ دیکھکر اپنی شکل کو خود بھی "شکل جاناں یہی ہے" کہدیگا
۷۵۔ ہاں مگر اس زبان سے ہشیار رٹتی ہے جو وظیفہ میں میں" کا
۷۶۔ پھر تو مستی ہے تجھ میں ابھریگی دو صفات، اب سنو بیان انکا

[1] اس لئے کہ بقول ع۔ "ہر گز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق"۔ ۱۲ سراج۔

۷۷۔ یا بہ "کلّ اللساں" شود خاموش ‏ ‏ یا بہ "طال اللساں" کند گفتار

۷۸۔ لیک "طال اللساں" ہلاک شود ‏ ‏ سر دہد گم کند ز یار رفتار

۷۹۔ واں کہ "کلّ اللساں" بود، چہ شود ‏ ‏ بہ سلامت بہ ایستد ہموار

۸۰۔ کم نہ گردد ز کا کلش یک مو ‏ ‏ کم نہ گردد ز خرقہ اش یک تار

۸۱۔ آں کہ او، سر دہد زہے سرمست ‏ ‏ واں کہ او، سر بر د زہے ہشیار

۸۲۔ گاہ "طال اللساں" شود خاموش ‏ ‏ گاہ "کلّ اللساں" کند گفتار

۸۳۔ می زند موج ہم دریں معنیٰ ‏ ‏ مطلع ہمچو مطلع الانوار

لہ عارفین اور مقربین دو قسم کے ہیں ایک وہ جنکو حق تعالیٰ اپنے دیدار اور ہمکلامی کے لیے اپنی بارگاہ قرب میں روک لیتے ہیں۔ یہ لوگ مخلوق میں وعظ و تلقین یا اپنے افاضۂ فیوض و برکات نہیں کرتے۔ دوسرے وہ جنکو بارگاہ حق سے حکم ہوتا ہے کہ تم مخلوق کو ہمارے جمال کا آئینہ سمجھو اور انکے واسطے سے ہمارا دیدار اور ہم سے کلام کرو یہ لوگ فیوض و برکات پھیلاتے ہیں ان دونوں قسموں میں کچھ پابند شریعت اور باہوش ہوتے ہیں ان کو "سالک" کہتے ہیں اور کچھ بیہوش رہتے ہیں (بشرطیکہ وہ بنے ہوئے یا عام مجنون نہوں) انکو "مجذوب" کہتے ہیں پس یہ چار قسمیں ہوئیں۔ سالک گویا، سالک خاموش، مجذوب گویا، مجذوب خاموش۔ شیخ یہاں "طال اللسان" کہہ رہے ہیں صرف مجذوب گویا کو اور بقیہ سب کو "کل اللسان" کیونکہ وہ اسرار کو ظاہر نہیں کرتے۔

نوٹ:۔ واضح ہو کہ صرف سالکین گویا کا درجہ "ولایت بر قدم نبوت" کہلاتا ہے اور بقیہ کا درجہ ولایت ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ولایت بڑا ہے چنانچہ مشہور ہے کہ "الولایۃ افضل من النبوۃ" مگر یہ غلط ہے۔ جس طرح اولیا کے مقابلہ میں انبیا کا درجہ متفقہ طور پر بڑھکر ہے اسی طرح یقیناً ولایت کا درجہ کم ہے اس سے بعضوں نے اس قول میں ایک دوسرا از کار تاویل کرنی چاہی ہے کہ ولایت سے مراد نبی کی ذات کے اندر جو پہلو خدا کی محبت و معرفت و دیدار و ہمکلامی کا ہے وہ افضل ہے نبی ہی کے اس پہلو کے مقابلہ میں جسکا تعلق بندوں کی اصلاح و تربیت سے ہو جسے نبوت کہا جاتا ہے۔ مگر حضرت مجدد صاحب نے (دیکھو

۷۷۔ یا وہ "گونگا" بنے رہے خاموش | یا وہ "بَکّی" بنے رہے گویا
۷۸۔ پر وہ "بکی" ضرور ہوگا ہلاک | سرِ قلم، سیر گم، مآل اُسکا
۷۹۔ اور جو "گونگا" بنا وہ امن میں ہے | قول سرورؐ ہے "من سکت فنجا"
۸۰۔ نہ ہوا من سے اسکے تار بھی کم | اسکا اک بال بھی نہ ہو بیکا
۸۱۔ واہ کیا مست جسنے جاں دیدی | وہ بھی کیا شوخ ہے جو بچ نکلا
۸۲۔ کبھی گونگا بھی بول پڑتا ہے | اور "بکی" کبھی ہے چپ رہتا
۸۳۔ اسی مضموں پہ دلمیں آتا ہے | ایک مطلع کہ نور ہے سر و پا

(بقیہ ف۵۵) اس کا رد فرماتے ہوے ارشاد کیا ہے کہ ان لوگوں نے نبوت کا مرتبہ نہیں پہچانا جو ایسا کہنے لگے افسوس! "اب حقیر عرض کرتا ہے کہ اگر یہ قول کسی ناواقف کا ہے تب تو میں بھی اسکی تردید میں اکابر کا مقلد ہوں اور اگر یہ شاید کسی صحیح عارف کا ہے تو اسکی نصرت کی نیت سے بہ ادب اپنے اکابر کی تردید سے ہٹ کر اسکی تاویل یہ کرونگا کہ ولایت کے افراد متعدد ہیں ایک "فرد" ولایت عامہ "عام مسلمانوں کو حاصل ہے۔ ایک "فرد" ولایت خاصہ "عارفین کو حاصل ہے۔ ایک "فرد" ولایت برقدم نبوت "سالکین و مصلحین امت کو حاصل ہے۔ ایک "فرد" خود نبی کی ذات مقدسہ میں بھی ہوتی ہے۔ لیکن ولایت کی ایک "فرد" اور بھی ہے اور وہ سب سے اعلیٰ ہے اور وہ، وہ فرد ہے جو خود حق تعالیٰ کی ذات پاک میں مسلمانوں کے لئے ہے جسکا ذکر آیت "اللّٰہ ولی المومنین" میں ہے ممکن ہے اس عارف کو حق تعالیٰ کے ولایت مومنین کی عظمت مکشوف ہوئی ہو اور انھوں نے اسکے لئے کہدیا ہو "الولایۃ افضل من النبوۃ" ۱۲ مترجم۔

ف۵۶ بطلب یہ ہو کہ اگر اسرار و معارف کو ضبط کریگا تو منصورؒ کیطرح کسیدن جان دیدیگا۔ یہاں شیخ ہوش ہیں اور سات شعروں تک (مطلع چند تک) کبھی غالب الحال (ابوالحال) کی اور کبھی مغلوب الحال (ابن الحال) کی تعریف کر رہے ہیں اور انکے تقلبات و تلونات کو بیان کر رہے ہیں کہ کبھی کبھی گویا بھی خاموش ہو جاتا ہے اور کبھی خاموش بھی گویا بنتا ہے۔ مگر شعرہ ۸۰ سے شیخ کیحالت پھر غیر ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ گویا بقول حافظ سے۔ دل می رود ز دستم صاحبدلاں خدارا ۔ دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

ف۵۷ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو چپ رہیگا نجات پائیگا مرنے بھی شیخ کی تقلید میں اس حدیث سے اسرار باطنی چھپانیکا مطلب لیا۔

مطلع دیگر

۸۴- آں خروشاں چو بلبلان بہار ・ ویں خموشاں چو طبلۂ عطار

. . . .

۸۵- لیک گو، غیر تا سخن گوید ・ یا غمش بر نشید اے دلدار
۸۶- خود انا الحق زد از لب منصورؒ ・ خود بر آمد ز شوق بر سر دار
۸۷- "لی مع اللہ" و"من رآنی" گفت ・ از زبان محمدؐ مختار
۸۸- گفت "انا احمدُ بلا میم" ・ ہم خود از نطق سیدؒ ابرار
۸۹- ربِّ ارِنی بگوش خود خود ریخت ・ خود بخود کرد حسرت دیدار
۹۰- باز خود گفت "لن ترانی" را ・ بہر چہ؟ بہر گرمی بازار
۹۱- ناظر خود، خود است و خود منظور ・ خود تماشا و خود تماشاکار

لہ. دو حدیثوں کی تلمیح۔ "من رآنی" کا مطلب گزر چکا۔ "لی مع اللہ" کے معنی یہ ہیں کہ "مجھے بعض وقت حق تعالیٰ کا قرب اسدرجہ حاصل ہوتا ہے کہ اسوقت نہ کوئی مقرب فرشتہ میری برابری کرسکتا ہے نہ نبی مرسل"

لہ. یہ قول حضرت احمد جامؒ ایک صاحب سکر بزرگ کا ہے۔ یا تو شیخؒ نے سیدابرار سے مراد احمد جامؒ ہی کو لیا ہے کہ انھوں نے بھی منصورؒ کی طرح "سلطان وحدت" اور ہیجان عشق میں کہدیا کہ "میرا نام گو احمد ہے مگر اصل و ظل، ظاہر و مظہر کے اس تعلق خاص کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتا ہوں کہ میں احد ہوں۔ یعنی بے میم کا احمد۔ اور عقل کا فیصلہ ہے کہ یہ قول ایک مغلوب الحال ہی کا ہوسکتا ہے ورنہ اگر کہیں نبی خدانخواستہ اسدرجہ مغلوب الحال ہونے لگے تو پھر اسکی تعلیم پر سے امان و اطمینان ہی اٹھ جائے ہر نبی کا ظرف بہت عالی ہوتا ہے نہ کہ ہمارے آقا حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ قلزم توحید کی وہ طوفان انگیز اور بلاخیز لہریں جنکا نام وحدۃ الوجود، سکر، غیبت وغیرہ ہے بجب س (دیکھو ضمیمہ)

مطلع دیگر

۸۴۔ "وہ" ہے بلبل کیطرح نغمہ سرا — "یہ" ہے چپ جیسے مشک کا نافا
"وہ" ہے طوطی کیطرح سے گویا — ہے "یہ" حیران جیسے آئینا
۸۵۔ غیر ہے ہی کہاں مرے پیارے — جو ہو خاموش یا کہ ہو گویا
۸۶۔ لب منصور سے انا الحق بھی — خود کہا، خود ہی دار پر پہونچا
۸۷۔ "لی مع اللہ ومن رانی" بھی — لب احمدؐ سے خود ہی کہلایا
۸۸۔ اس سے کہلایا" احمد بے میم" — جام احمد کا تھا جو مستانا
۸۹۔ کان میں اپنے خود کہا "ارنی" — اشتیاق اپنی دید کا جو اٹھا
۹۰۔ لن ترانی بھی خود ہی کہہ بیٹھے — گرم بازاری ہو، یہ منشا تھا
۹۱۔ آہ، ناظر وہ خود ہے، خود منظور — خود تماشا بنا ہے خود بینا

(بقیہ صفحہ) عالی ظرف کے قدموں تک پہونچتی اور اسے اپنی جگہ سے ہلانا چاہتی ہیں تو وہ کوہ وقار اس حال وکیفیت کو غیبی مہمان سمجھکر اسکی رعایت ضیافت میں تو کمی نہیں کرتا مگر جمعیت اور ہوش کا سر رشتہ بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور وہ بس اتنا ہی کہتا ہے "لی مع اللہ وقت"۔

اے بہ قربانت امام الراسخیں — اے فدایت حال غیبی را امیں

صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳؎ حضرت موسیٰ کی دعا کہ اے خدا مجھے اپنا دیدار دکھا دیجیے جس پر جواب ملا "لن ترانی" نہیں تم مجھے کسی طرح دیکھ ہی نہیں سکتے۔

۹۲۔ عاشق خود خود است و خود معشوق | خود طبیب خود است و خود بیمار
۹۳۔ خود پیمبر شد و پیام آورد | گشت خود منکر و نمود انکار
۹۴۔ از برائے فریب خود، خود گشت | جلوہ در قد و در قدم رفتار
۹۵۔ تاب در زلف و وسمہ بر ابرو | سرمہ در چشم و غازہ بر رخسار
۹۶۔ رنگ در آب و آب در یاقوت | بوئے در مشک و مشک در تاتار
۹۷۔ ہست خود فعل و فاعل و مفعول | ہست خود قبض و بسط در ہر کار
۹۸۔ خود کند ساز ہر گناہ کہ ہست | خود زند باز باب استغفار

لہ شیخؒ نے — اللہ انکو معاف کرے — یہ بات نامناسب انداز میں کہی ہے۔ اسمیں عوام کے بہکنے کا سخت اندیشہ ہے اہل علم اسکی وہ تاویل کرتے ہیں جو احقر نے ترجمہ کے اضافہ میں کی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے دو ملفوظ کو یاد رکھیے (۱) "نظر عارف کی اوّل ظاہر پر پڑتی ہے بعدہٗ مظاہر پر۔" (امداد المشتاق ملفوظ ۱۲۶) (۲) "اشیا خسیسہ عالم مظہر مُدِلّ ہیں مگر انکو حق کہنا بے ادبی ہے (ایضاً نمبر ۱۲۸) شعر کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا جس طرح ایک مظہر نبی ہے اسی طرح دوسرا مظہر منکر و کافر جس طرح سفید بوتل میں سُرخ شراب رکھی ہو تو دیکھنے والے کی نظر سُرخ شراب پر پہلے پڑتی ہے اور بوتل کے حجاب کا اسے وہم بھی نہیں ہوتا اسی طرح عارف بھی بوتل کیطرف خیال بھی نہیں لیجاتا اندر کے شربت کو دیکھتا ہے تاہم بقول حاجی صاحب "انکو حق کہنا بے ادبی ہے" یعنی خود عارفین کے لئے ماسوا کو ذات حق کہنا بے ادبی ہے۔ گو وہ تصدیق قلبی سے اور تاویل صحیح سے کہتا ہو۔ اور ناواقفوں کے لئے تو ان باتوں کو نقلاً کہنا کفر و شرک ہے۔ ۱۲ سراج۔

۹۲۔ خود ہی عاشق ہے اور خود معشوق — خود طبیب اپنا خود مریض اپنا

۹۳۔ خود پیمبر بنا کہ لایا پیام — خود ہی منکر بنا کہ کفر کیا

گو بظاہر یہ بات کفر کی ہے — شرح کرتا ہوں میں بعون خدا

یاں خدا کو پیمبر و کافر — بر سبیل مجاز فرمایا

حق کی تخلیق کفر و دیں، شر و خیر — ملک، ابلیس، بولہب، طٰہٰ

صنعتیں دو ہوں، کافر اور نبی — ایک صانع مگر ہے دونوں کا

ہے نبی میں اگر خدا کا نور — تو ہے کافر میں بھی ظہور خدا

مظہر حق ہے جس طرح سے نبی — یوں ہی کافر بھی مظہر آ سکا

مثل مینا ہیں مرسل و کافر — ان میں ظاہر خدا ہے جوں صہبا

چشم عارف سے دیکھتی پہلے — جلوہ ظاہر کا پھر مظاہر کا

نظر آتا ہے اسکو رنگ شراب — اور مینا نظر نہیں آتا

۹۴۔ قد میں رعنائی، پاؤں میں رفتار — خود بنا، اس پہ آپ ہی بھا

۹۵۔ زینت ابرو میں، گیسوؤں میں شکن — سرمہ آنکھوں میں، چہرہ پہ غازہ

۹۶۔ رنگ پانی میں، آب گوہر میں — مشک میں بو، تو چین میں نافہ

۹۷۔ وہی مصنوع و صنعت و صانع — خود بگاڑا اور بناؤ کاموں کا

۹۸۔ خود ہی تحریک بھی گناہوں کی — شرم پھر خود گنہ سے، خود توبا

ل آسی جونپوری کے یہاں بھی اس قسم کے اشعار ہیں کہ وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر - اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر - وغیرہ۔ اس مضمون کو خود حضرت آسی کیلئے بھی بقول حضرت حاجی صاحب استغنا اسکا الزام وافشا اسکا ناجائز تھا۔ اور غیر عرفا کو شریعت محمدیہ کا احترام فرض ہے اسلئے ایسے کلام کی تعریف نہ کرنی چاہیئے۔ ۲ مجاز مرسل میں حقیقی و غیر حقیقی معنوں کے درمیان سبب و نتیجہ کا بھی تعلق ہوتا ہے، عادل کو عدل کہتے ہیں اسی طرح خالق کو خلقت کے نام سے بھی کہہ سکتے ہیں۔ ۱۲ سراج۔

۹۹۔ خود بود طوطی و خود آئینہ | خود بود پیش طوطی آئینہ وار
۱۰۰۔ حمدِ خود از زبانِ من گوید | تا کہ بر خود بُود بزیر فتار
۱۰۱۔ من نیم او خود ست قافیہ سنج[2] | من نیم او خود است در گفتار
۱۰۲۔ ہست آں یک حیاتِ صرف مدام | بر ہمہ خیر و شر خودش دوّار

حکایت

۱۰۳۔ رُوز آدینہ بر سرِ منبر | گشت شبلی برائے خطبہ سوار
۱۰۴۔ کرد توحید ایزدی آغاز | کہ یک است اوچہ دہ چہ صد چہ ہزار

. . . .

. . . .

. . . .

. . . .

۱۰۵۔ مگر آنجا جنیدؒ حاضر بُود | گفت اے پاکبازِ نادرہ کار
۱۰۶۔ آنچہ من با تو گفتہ ام بہ نہفت | تو عیانش ہمی کنی اظہار
۱۰۷۔ گفت ہیہات! اے یگانۂ عصر | سخن مشترکانہ را بگزار

لہ۔ یعنی قرآن کی آیات حمد و توحید اس لئے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنی تعریف خود کہکر ہم سے پڑھواتے ہیں کہ ہم سے سنیں۔

[2]۔ مولانا رومؒ نے بھی یہ مضمون ذرا دوسرے انداز سے کہا ہے، فرماتے ہیں ۔

قافیہ اندیشم و دلدار من

گویدم مندیش جز دیدار من

۹۹- خود ہی طوطی کے سامنے موجود — آہ! خود طوطی و خود آئینا
۱۰۰- حمد اپنی مری زبان سے کی — اپنے اوپر خود اپنا دل آیا
۱۰۱- میں نہیں کہتا ہے "وہی" یہ شعر — میں نہیں ہوں "وہی" ہے یہ گویا
۱۰۲- ہے "وہی" اک حیات لب و اُم — خیر و شر یہ جو کرلی ہے دَورا

حکایت

۱۰۳- ایک دن روز جمعہ، منبر پر — شیخ شبلیؒ نے وعظ میں یہ کہا
۱۰۴- لوگو دنیا میں ذات ہی بس ایک — ہاں ظہور اسکا دس میں بیس میں ہوا
ایک چھپر میں ہیں جو سوراخ — سورج اس کوٹھری میں ہے بنا
گول۔لمبا۔ تکونا اور چوکور — پنجگوشہ بھی، شش پہل، آڑا
گاؤدُم، لہریا، صراحی دار — موٹا، پتلا، مڑا ہوا ترچھا
یہ تعدُّد بھی اور تنوع بھی — حال سورج کا ہے کہ چھپر کا؟
۱۰۵- وہیں حضرت جُنیدؒ بیٹھے تھے — بولے اے پاک باز بیرتا پا
۱۰۶- تم تو منبر پہ آج کہہ بیٹھے — میں نے خلوت میں راز تھا جو کہا
۱۰۷- تیز ہو کر وہ بولے اے مُرشد — مثل مشرک یہ آپ کہتے ہیں کیا

۱۰۸- من ہمی گویم و ہمی شنوم — نیست کس غیر من بہ ہر دو دیار
۱۰۹- قم باذنی و قم باذن اللہ — ہر دو یک نغمہ است از لب یار
۱۱۰- خواہ قربِ نوافلش برخواں — خواہ قربِ فرائضش بشمار
۱۱۱- نیست جز نام، فرق زیر و بم — زیر و بم می زند مہ از یک تار
۱۱۲- لوحِ دل را ز نقشِ غیر بشو — خویش را در خودی، خدا انگار
۱۱۳- آنکہ غیر تو، چیست؟ ہستیٔ تو — خویشتن را کنارہ گیر کنار
۱۱۴- نور چشم من از خودی بگزر — خویشتن را خدائے خود پندار
۱۱۵- ورنہ گر با خودی، خدا گوئی — مشرکے باشی و خدا آزار
۱۱۶- چونکہ "لاتشرک" است حکمِ خدا — خویشتن را ز شرک پاک برآر

لہ حضرت ابوبکر شبلی بھی اپنے پیر بھائی منصورؒ کیطرح مگر انسے کہیں بڑھکر بادۂ توحید کے متوالے تھے چنانچہ اپنے مرشد کو مشرک کہدینا اور "نیست کس غیر من بہ ہر دو دیار" کا نعرہ لگانا دلیل ہے کہ منصورؒ سے زیادہ پی گئے ہیں۔ منصورؒ بیچارہ نے تو پھر بھی انا اور الحق کو ملا دیا تھا جس میں انا علی الحق، انا مع الحق، انا حقا وغیرہ کی تاویلیں بھی ہو سکتی ہیں اور انا اور حق دونوں کا الگ الگ وجود بھی سمجھا جا سکتا ہے لیکن انکو دیکھئے کہ یہ اپنے وجود کے سامنے دونوں عالم میں کسی دوسرے کا وجود مانتے ہی نہیں۔ آہ! یہ ایک ہوش ربا کیفیت ہے بادۂ وحدت کی اور ایک خونخوار موج ہے دریائے توحید کی اور ایک حیرت فزا حال ہے عارف موحد کا کہ بیچارہ ع "درکفِ شیر نرِ خونخوارہٗ" کا مصداق بنکر کبھی خود اپنی ذات کو اور کبھی ساری کائنات کو معدوم اور صرف ذات حق کو موجود پاتا ہے اور بعض وقت تو اس سے عجیب تر یہ کہ (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) ذات حق کو معدوم اور خود کو موجود پاتا ہے۔ گو مآل دونوں صورتوں کا "وحدت" ہی ہے پہلی صورت بندہ کی شدت قرب حق کو ظاہر کرتی ہے اور دوسری صورت، حق تعالیٰ کی شدت قرب عبد کو ظاہر کرتی ہے۔ (دیکھو ص ۶۱)

۱۰۸۔ میں ہی کہتا ہوں میں ہی سنتا ہوں
دو جہاں میں ہو کون میرے سوا

۱۰۹۔ لفظ عیسیٰ ہو وہ کہ حرف جنید
یار ہی کے لبوں کا ہے نغما

۱۱۰۔ یا یہ وحدت ہے "قرب نفل" کا فیض
یا کہو "قرب فرض" کا جلوا

۱۱۱۔ زیر و بم میں تو فرق نام کا ہے
تار ہی سے ہر ایک سُر نکلا

۱۱۲۔ غیر کا نقش دل سے دھو کہ دوئی
جب مٹی پھر خودی خدا ہے خدا

پانی جب دودھ میں ملا تو ہے دودھ
لوہا بھی آگ ہے جو لال ہوا

۱۱۳۔ غیر کون؟ آہ خود تری ہستی
اپنی ہستی تو بیچ سے دے اٹھا

۱۱۴۔ سُن! یہ "میں" چھوڑ میرے نور نظر
پھر سمجھ لے کہ تو ہے اپنا خدا

۱۱۵۔ کہے خود کو خدا جو "میں" رکھ کر
پھر تو مشرک ہے اور عدوِ خدا

۱۱۶۔ چونکہ حق نے کہا کہ شرک نہ کر
شرک ہو "چرگ" ہاں نہ بن میلا

(بقیہ ف) سبحان اللہ بڑے بارک ہیں وہ مصفا قلوب جنکو وہ محبوب واحد الوجود جل جلالہٗ اپنی وحدت و عظمت معرفت و حیرت کے ایسے محیر العقول کرشمے دکھانے کے لئے انتخاب کرلے! مگر واضح رہے کہ ایسے کلمات شطحیات صرف حواس کی نادرستی کے باعث اس موحد مغلوب کے لئے تو گناہ نہیں (گو اسکو بھی استتار اسکا لازم اور بہتر تھا) مگر دوسروں کا انکو دہرانا گناہ ہے۔ عارفین جب اس کیفیت سے افاقہ پاتے ہیں تو سخت ندامت سے دل و جان سے استغفار بھی کرتے ہیں مگر لوگ انکی اس ندامت و توبہ کو نہیں دیکھتے۔ ۱۲ سراج۔

۱۱۷- شرک دو ہست ہم خفی و جلی / ہر دو را پیش تو کنم تکرار

۱۱۸- اے پسر لا الٰہ الا اللہ / خود ز شرکِ خفی است آئینہ دار

۱۱۹- چیست شرکِ جلی؟ رسول اللہ / خویشتن را ازیں دو شرک برآر

۱۲۰- گر ز شرکِ خفی خلاص شوی / خویش را از جلی خلاص شمار

۱۲۱- چوں ازیں شرکہا خلاص شومی / شوی آنگہ تو صوفیٔ ستار

۱۲۲- آں یکے وقتِ نزعِ شبلی را / گفت اے قدوۂ صغار و کبار

۱۲۳- می بگو لا الٰہ الا اللہ / مغفرت خواہ ز ایزدِ دادار

۱۲۴- بہ تبسم در آمد و بشگفت / ہمچو روئے بہار و چہرۂ یار

۱۲۵- گفت [لہ] معشوقِ من بہ استغنا / نہ ستاند ز روئے رشوت کار

۱۲۶- بعد ازیں ما و ساقی و لب جو / بعد ازیں ما و یار و بوس و کنار

۱۲۷- بعد ازیں ما و نغمہ و مطرب / بعد ازیں ما و خانۂ خمار

۱۲۸- تا نہ کاری یگانگی را تخم / کے دہد شاخِ آشنائی بار

لہ یہاں سے چار پانچ شعروں تک کا مضمون نہایت نامناسب انداز میں بیان کیا گیا ہے شریعت ظاہر جس چیز (کلمہ طیبہ) کو بناءِ اسلام کا بھی پہلا جزو بتاتی ہے شیخ اسی کو شرک کہہ رہے ہیں۔ شیخ مغلوب ہیں اس لئے معذور اور اسی لئے انکے بیان کی تاویل کی ضرورت پڑی ورنہ شریعت ظاہری کو حق ہے کہ ایسی باتوں کو کفر، الحاد، زندقہ کہا جائے اور لوگوں کو ایسی چیزوں کے مطالعہ سے روکا جائے کیونکہ امت محمدیہ کے ایمان کی حفاظت اور احکام شرع کی نصرت وحمایت ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض عین ہے۔ ایسے موحش اقوال کی توجیہہ ذرا نازک ہے جو احقر نے ترجمۂ منظوم میں کر دی ہے لیکن اگر وہ کسی کے سمجھ میں نہ آئے تو میرا ہمدردانہ و مخلصانہ مشورہ ناظرین کو یہ ہے کہ وہ اس مضمون کو ذہن سے بالکل ہی نکال دیں اور توبہ واستغفار اور کلمہ طیبہ پڑھکر ایمان کی تجدید وحفاظت ضرور کرلیں۔ ایسے ہی مضمون (دیکھو ۶۲)

۱۱۷۔ شرک دو قسم ہے، جلی و خفی	دونوں کا ذکر تجھ سے ہوں کرتا
۱۱۸۔ لَا اِلٰہَ غَیْرُہٗ ہے شرکِ خفی	نفی کس کی؟ نہیں جو غیر خدا
۱۱۹۔ اور جلی شرک ہے رسول اللہ	غیر حق جب نہیں تو اَحْمَد کیا
۱۲۰۔ تو جو شرک خفی سے بچ جائے	پھر جلی سے بچی تو نکل آیا
۱۲۱۔ جب تو چھوٹیگا دونوں شرکوں سے	پیارے صوفی تجھی ہے بن سکتا
۱۲۲۔ کہتے ہیں نزع میں تھے جب شبلیؒ	آکے بولا کوئی کہ اے قبلا
۱۲۳۔ پڑھیئے اب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ	کیجئے ایسے میں مغفرت کی دعا
۱۲۴۔ ہنس پڑے سن کے حضرت شبلیؒ	گل وگلرو کیطرح چہرہ کھلا
۱۲۵۔ بولے وہ شوخ ہے غیور و غنی	کام رشوت سے واں نہیں چلتا
۱۲۶۔ ہونگے ہم، یار ہوگا اور لب جُو	ہونگے ہم اور قرب و وصل اُسکا
۱۲۷۔ ہونگے ہم اور نغمہ و مطرب	ہونگے ہم اور حجلہ ساقی کا
۱۲۸۔ تخم وحدت نہ بوئیگا جب تک	ثمر دوستی نہ پائے گا

(بقیہ ص ۶۲) کو نظیری نیشاپوری نے بھی کہا ہے مگر ذرا بچتے ہوئے۔ کہتا ہے ؎

چند از موذن بشنوم توحید شرک آمیز را — کو عشق تا یک سو نہم شرع خلاف انگیز را

ایسے مضامین کو اگر صحیح طور پر نہ سمجھا جائے تو اس سے اپنے اور دوسروں کے دین کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ اللہ ہم سب کا ایمان سلامت رکھے۔ ۱۲ سراج۔

حکایت

۱۲۹- سالکے مر جنید را پرسید ۔۔۔ کاے ز سر تا قدم ہمہ اسرار
۱۳۰- بہ تکلم درآ کہ مشرک کیست ۔۔۔ گفت اے ہرزہ گرد کودن سار
۱۳۱- ہر کہ نادیدہ نام او گوید ۔۔۔ مشرک است آں فضول نا ہنجار
۱۳۲- ہر کہ از وے نہ زد انا الحق سر ۔۔۔ ہست او از جماعت کفار
۱۳۳- ہر کہ منکر بود، شود مشرک ۔۔۔ من از و چوں خدائے او بیزار
۱۳۴- چوں دوئی از میانہ بر خیزد ۔۔۔ تو نہ مانی، من او کند اقرار
۱۳۵- گر بدیں بال و پر کنی پرواز ۔۔۔ شاہبازی تو جبرئیل شکار
۱۳۶- صید عنقا کجا تواند کرد ۔۔۔ بوالفضولی اگر رود بہ شکار
۱۳۷- "دَعْ لِنَفْسِكَ تَعَالَ" را بشنو ۔۔۔ اے برادر ز گوش پنبہ برآر
۱۳۸- یعنی ایں چار طبع را یک کن ۔۔۔ تا نہ گردد مخالفت ہر چار

لہ یعنی مومن کو مجاہدہ و ریاضت بھی لازم ہے تاکہ مشاہدہ کی کیفیت اور احسان کا درجہ "کانک تراہ" بھی حاصل کرے۔ تب ہی ایمان ہے ورنہ غافل مسلمان گویا مشرک کے برابر ہے۔

ﷺ یعنی پھر فرشتے بھی تیری زیارت کرنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایکبار صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم ایسا..... کرو تو مدینہ کی گلیوں میں فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔

ﷺ- حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ نے (نیز بعض دوسرے اکابر) حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ تک پہونچنے کا قریب ترین راستہ کونسا ہے فرمایا "دع نفسک وتعال" یعنی نفس کو فنا کردو بس آجاؤ یعنی نفس کی عبودیت چھوڑ کر اللہ کی عبودیت اختیار کرو نفس کو اپنا الٰہ نہ بناؤ صرف خدا کو الٰہ بنا و یہی معنی ہیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ۱۲ سراج۔

حکایت

۱۲۹۔ ایک سالک نے ایکدن آکر — سیدالطائفہ سے یہ پوچھا

۱۳۰۔ یہ تو فرمائیے ہے مشرک کون؟ — بولے اے بیوقوف آ وار ا

۱۳۱۔ جو رٹے نام اسکا بن دیکھے — وہی مشرک ہے اور بے ڈھنگا

۱۳۲۔ جو انا الحق نہ کہہ سکے کھل کر — وہ ہے کفار کی جماعت کا

۱۳۳۔ اس حقیقت کا جو کرے انکار — اس سے اسکا خدا الٰہی میں بھی خفا

۱۳۴۔ بیچ کی جب دوئی یہ مٹ جائے — تو نہ رہ جائے میں کہے وہ خدا

۱۳۵۔ تو تجب اِس بال و پر سے اُڑنے لگے — بنے شہباز تو فرشتوں کا

۱۳۶۔ کوئی عامی اگر شکار کرے — مار سکتا نہیں وہ یہ عنقا

۱۳۷۔ نفس کو چھوڑ دے بس آ یہ خواب — کان کھول اور سُن ابن حنبل کا

۱۳۸۔ نفس پر ہیں اثر عناصر کے — کر کے ہمت بس ان پہ قابو پا

ل حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ پہلے رہزنی کرتے تھے اور سید الطائفہ کہلاتے ایکبار ایک حاجتمند سید پاس خود ہاتھ باندھکر حاضر ہوئے کہ بادشاہ نے میری گرفتاری پر انعام کا اعلان کیا ہے آپ مجھے پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لیچلیے اور انعام لے لیجیے وہ لیگئے بادشاہ نے انکو قید کردیا اور سید کو انعام دیا رات میں بادشاہ کو خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی کہ جلد جاکر اپنے ہاتھ سے جنید کو قید سے آزاد کرو اور حضرت جنید کو بھی زیارت ہوئی فرمایا کہ جنید آج تم نے میرے فلاں لڑکے کی مدد کی اِس کے صلہ میں ہم تم کو آج سے تمام اولیا کا سید الطائفہ بناتے ہیں بس اُسی وقت سے آنکھ کھل گئی دل میں عشق الٰہی کی آگ بھڑ گئی تھی، سجدہ میں گر کر توبہ و استغفار اور مناجات کر رہے تھے کہ بادشاہ ننگے پیر دوڑتا ہوا آیا اور قدموں پر گر پڑا۔ قید اپنے ہاتھ سے کھولی اور آپکو آزاد کردیا۔

۱۳۹- دینِ احمد گزین و مُسلم شو	بگذر از خویش بگسل ایں زُنّار
۱۴۰- ایں بت ار بشکنی چو ابراہیم	گرد آتش روی شود گلزار
۱۴۱- شو بہ ہر فعل و قول تبعِ سلف	غیر ظاہر بہ باطنت بسیار
۱۴۲- شو ز باطن[۱] ربوبیت پرواز	کن بظاہر عبودیت اقرار
۱۴۳- ظاہر[۲] خویش پاک کن بہ وضو	باطنِ خویش را نماز گزار
۱۴۴- شد[۳] جنابت تمام شرک و دوئی	غسل فرض است از آں بہر دیدار
۱۴۵- غسل چہ بُود؟ بہ ورطۂ توحید	غوطہ خوردن نہ آمدن بہ کنار

لہ یعنی شریعت ظاہری کی پوری پابندی کرنی چاہیئے۔ صوفی بنتے ہو تو عبودیت اور بندگی کے ادا کرنے میں کوئی کمی نہ کرو رہا دل تو وہ حضرت محبوب وٰاحد الوجود جل جلالہٗ کی جلوہ گاہ ہے اسمیں توحید حق اپنے جو جو کرشمے دکھانے چاہے ان کرشموں کو وہیں ہونے دو اور وہیں رہنے دو۔ خبردار ظاہر تک وہ کرشمے نہ آنے پائیں یہ کمال ہے موحد کا۔ ٢ہ۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرماتے ہیں "انسان کا ظاہر عبد ہے اور باطن حق" (امداد المشتاق ص۳۲) مگر باطن سے یہاں مراد حقیقت ہے جس کا مظہر انسان ہے نہ کہ انسان کے اعضا باطنی۔ خوب سمجھ لو۔ ٣ہ یہاں سے شیخ تصوف کے چند احکام و آداب کو احکام شرعیہ کی اصطلاحوں میں بیان کرتے اور تشریح فرماتے ہیں کہ شریعت ظاہری میں اگر غسل جنابت وضو۔ سجدہ۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ قربانی۔ زکاۃ۔ کے احکام ہیں تو تصوف میں بھی یہی اصطلاحات ہیں مگر انسے مراد کچھ دوسری چیزیں ہیں۔ مگر خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ شیخ کی یہ محض نکتہ آفرینی ہے جسے صنعت مشاکلہ کے طور پر کہہ رہے ہیں۔ انکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہمکو شرع ظاہر کے احکام کی ضرورت نہیں یا شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز۔ نہیں نعوذ باللہ یہ مطلب نہیں۔ کہتے ہیں کہ صوفی شرک کو جنابت توحید وجودی کو غسل۔ خیال ماسوا کو حدث اور تزکیۂ قلب کو وضو جانتا ہے۔ دیدار یار ہماری نماز، طاق ابروے یار ہماری مسجد۔ خطرات ماسوا سے بچنا ہمارا روزہ۔ مشاہدۂ یار ہمارا افطار۔ ہمارا حج (دیکھو ص۶۸)

۱۳۹- دینِ احمد یہی ہے بن مسلم — یہ خودی چھوڑ، توڑ یہ تاگا
۱۴۰- تو جو مثلِ خلیل توڑ دے یہ بت — آگ بھی باغ ہو جہاں تو گھسا
۱۴۱- قول اور فعل میں ہو نقشِ سلف — دل[۱] سے دیوانہ، شکل سے دانا
۱۴۲- دل میں تو گو رہو بیت تک اُٹھے — پر بظاہر عبودیت نہ ہٹا
۱۴۳- اپنے ظاہر کو رکھ وضو سے درست — تو نماز اپنی، دل[۲] پڑھے تیرا
۱۴۴- شرک اور یہ دوئی نجاست ہے — ہے مسلماں پہ فرض غسل اسکا
۱۴۵- غسل کیا ہے؟ سُن کہ بحرِ وحدت میں — دور ساحل سے ڈبکیاں کھانا

(بقیہ ق) خودی سے سفر کرکے اپنی گندی ابتدا کا مراقبہ ہے، قربانی یہ ہے کہ طبعی تقاضوں کو زیادہ سے زیادہ کم کریں۔ ہماری زکات یہ ہے کہ خود اپنی ہستی کو اور اسکے پندار کو اور سارے علوم کو دل سے نکالیں (شریعت اور طریقت کا کچھ بیان اگلے صفحہ پر آرہا ہے)

۱۔ میرے استاد حضرت اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ؎

زندگی رندی و مستی میں گزرتی ہو تمام — جب کوئی پوچھے تو عذرِ زہد و تقویٰ کیجئے

۲۔ یعنی جب تیرا باطن اور تیری حقیقت "حق" ہے تو تیرے نماز پڑھنے کو کہا جا سکتا ہے کہ حق، حق کی نماز پڑھتا ہے تو خود اپنی نماز پڑھتا ہے۔ یہ بات بہت نازک اور باریک ہے اس کا درجہ محض لطائف و معارف کا ہے۔ اسکا تعلق محض ذوق اور وجدان سے ہے عقائد اور ایمان سے نہیں ہے۔ اس قسم کی باتیں صوفیہ کی متشابہات کہلاتی ہیں ذرا مشکل سے سمجھ میں آتی ہیں۔ ۱۲ سراج۔

۱۴۶۔ پس وضو چیست؟ پاک کردنِ جسم — پاکیٔ دل چہ؟ شستن از اغیار

۱۴۷۔ سجدہ تو مقام توحید است — سجدہ گاہِ تو طاق ابروئے یار

۱۴۸۔ در نماز آں نگار را دیدن — ظاہر و باطن اے پسر بشمار

۱۴۹۔ در عبادت کسے شریک مکن — زانکہ لاتشرک است حکم نگار

۱۵۰۔ روزہ حفظِ دل است از خطرات — پس از آں از مشاہدہ افطار

۱۵۱۔ حج چہ باشد؟ زخود سفر کردن — بہ کجا؟ جانب بدایتِ کار

۱۵۲۔ ہست قربانیت پس از حجت — قطع احکام طبعہا یک بار

۱۵۳۔ ہستیٔ خویش را زکواۃ بدہ — از سر دوستی بکن ایثار

۱۵۴۔ یعنی ایں ہستیٔ عناصر خود — با علومش، ز جان خویش برآر

۱۵۵۔ اے پسر! در رہ شریعت فرض — عشر[۱] دہ یک بود بہ دنیادار

۱۵۶۔ در طریقت گزشتن از لذت — در حقیقت گزشتن از افکار

۱۵۷۔ تو اگر مرد ایں خجستہ رہی — دامن از کائناتِ خود بفشار

لہ۔ یعنی شریعت ظاہری میں عُشر (غلہ اور پھل کی زکات) کا حکم ۱/۱۰ یا ۱/۲۰ ہے مگر طریقت میں حکم یہ ہے کہ وہ ۱/۱۰ وغیرہ بھی ادا کرو اور اپنی لذات کو بھی ترک کرو اور حقیقت میں عُشر کہتے ہیں "فکر۔ امل۔ خیالی پلاؤ" کے ترک کو۔ حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں "تمام اعمال میں دو جہت ہوتی ہیں مثلاً زکواۃ کہ عوام کے لئے قاعدہ ہے جو مشہور ہے (از مرآج: مال میں ۱/۴۰ اور پیداوار میں ۱/۱۰ یا ۱/۲۰) اور خواص کو "قل العفو" اور اخص الخواص یعنی صدیقین کو تمام مال دینا۔" "لا تلقوا بأیدیکم إلی التہلکۃ" ہمارے واسطے ہے کہ موت کو تہلکہ سمجھتے ہیں اور عارفین زندگی کو" (امداد المشتاق ملفوظ ۲۰۴)۔ واضح ہو کہ شیخؒ یہاں وہ بات نہیں کہہ رہے ہیں جو عوام میں مشہور ہے کہ "شریعت اور ہے طریقت اور ہے حقیقت اور ہے" بلکہ شیخؒ کا مطلب وہ ہے جو حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ شریعت کا حکم تو (دیکھو ص ٦٩)

۱۴۶۔ ہاتھ منہ دھونا شرع کا ہے وضو | یاں وضو، دل کو غیر سے دھونا
۱۴۷۔ طاقِ ابروئے یار ہو مسجد | دل کا سجدہ ہے ایک "اُسے" کہنا
۱۴۸۔ دیدِ حق کی ہو ظاہر و باطن | بس یہ اپنی نماز ہے بیٹا
۱۴۹۔ سُن لے، ہے حکمِ یار، شرک نہ کر | نہ کسی کو بنا شریکِ خدا
۱۵۰۔ روزہ یہ ہے کہ دل میں خطرے نہ آئیں | دل کا افطار، حق کا نظّارا
۱۵۱۔ حج یہ ہے کہ خودی سے اپنی سفر | کس کی جانب؟ وہی جو ہے بندا
۱۵۲۔ بعدِ حج ہو یہ تیری قربانی | ہر تمنائے دل کو تج دینا
۱۵۳۔ اپنی ہستی کو دے زکات ہیں تو | اپنے دلبر پہ کر اسے صدقا
۱۵۴۔ یعنی "اپنی یہ عنصری ہستی | اور اس کے علوم" دل سے مٹا
۱۵۵۔ مالداروں پہ شرع میں ہے یہ عشر | دس اگر ہوں تو ایک دیدینا
۱۵۶۔ ہے طریقت میں "ترکِ لذّتِ عشر | اور حقیقت میں "فکر" سے ہٹا
۱۵۷۔ چلنا چاہے جو شرعِ باطن پر | کائنات اپنی بھول جا بیٹا

(بقیہ ف۶) ایک ہی ہے مگر عوام کو، خواص کو اور اخص الخواص کو انکے رتبوں کے لحاظ سے بدلتا اور سخت تر ہوتا جاتا ہے بقول ع۔ جنکے رتبے ہیں سوا انکو سوا مشکل ہے۔ شیخ شریعت وطریقت میں مخالفت یا اختلاف نہیں مانتے وہ تو شعر ۱۵۹ میں خود ہی دونوں کو ایک فرما رہے ہیں حضرت حاجی صاحبؒ نے خوب فرمایا کہ "نسبت شریعت وطریقت کی مثال وضو ونماز کی ہے" (ملفوظ ۲۴۶) یعنی طریقت کے لئے شریعت شرط ہے۔ بغیر شریعت کے طریقت کا وجود ممکن ہی نہیں۔ طریقت خود شریعت میں شامل ہے۔

۱۵۸- در شریعت بود ہر آنچہ حلال | در طریقت بود ہماں مردار
۱۵۹- چوں حقیقت نقاب برگیرد | ہر دو یک گردد اے نکوکردار
۱۶۰- دل بود طعمہ خور ز چار خطر | مرد باید کہ بگذرد زیں چار
۱۶۱- گر بُود خاطر تو، مائلِ علم | خطرۂ آسمانیش پندار
۱۶۲- ور بسوئے عبادتت بکشد | خطراتِ ملائکش بشمار
۱۶۳- ایں عطا ما ز فیض جبروت است | جذب او می کشد ترا در کار
۱۶۴- ور بیابیش از ترددِ جاہ | کہ چنیں یا چناں بر آرم کار
۱۶۵- یا فلاں را دہم کلاہ و کمر | یا فلاں را کنم سپہ سالار
۱۶۶- یا کنم حوض آسماں پہنا | یا بہ کیواں برم سر دیوار
۱۶۷- جان من ایں خطر ز شیطان است | ایں خطر اژدراست مردم خوار
۱۶۸- ور بود خطرۂ تو مائلِ خور | مستی تو بدل شود ز خمار

۱؎ - یہ مطلب نہیں کہ اہل طریقت اسکے مردار اور حرام ہونے کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ یہ تو شریعت پر اضافہ ہے۔ قرآن میں "لِمَ تُحَرِّمُ ما احل اللہ" فرماکر خود حضورؐ کو بھی اس سے منع فرمادیا گیا تھا۔ البتہ وہ علاجِ نفس کے لئے اسے اپنے حق میں مضر جانتے ہیں۔ جیسے علم طب میں زکام میں برف اور ذیابیطس میں میٹھا۔ اسکی نظیر حدیث میں ہے کہ "اذا احب اللہ عبداً حماہ من الدنیا یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو اسے دنیا سے اسطرح بچاتے (اور اسکے دلمیں بھی دنیا سے نفرت ڈال دیتے) ہیں جس طرح تم خود اپنے مریض کو پانی وغیرہ سے پرہیز کراتے رہتے ہو

۲؎ - حضرت مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ خاطر یعنی قلب پر جو خطاب وارد ہو اسے کلام نفسی بھی کہتے ہیں اسکی چار قسمیں ہیں۔ اگر نیک خیال دلمیں آئے اور اسکے خلاف پر عمل کر سکے تو یہ "الہام" ہے، یہ فرشتے کیطرف سے ہے۔ اور اگر خلاف پر عمل نہ کر سکے تو یہ "خاطرِ حق" ہے۔ یہ اللہ کیطرف سے ہے (دیکھو

۱۵۸۔ شرع میں بعض چیزیں جائز ہیں | پر طریقت نے ہے حرام کیا
شرع میں صبر ہے نہ ملنے پر | ہے طریقت میں اُسپہ شکر خدا
۱۵۹۔ گر حقیقت کا پردہ اُٹھ جائے | پھر تو دونوں کو ایک پائیگا
۱۶۰۔ ہیں غذا دل کی یہ خواطر چار | صوفی کو ان سے چاہیئے بچنا
۱۶۱۔ خاطر آسمانی اس کو سمجھ | تجھے گر علم کا خیال آیا
۱۶۲۔ دل عبادت کی سمت اگر جائے | جان خاطر اسے فرشتوں کا
۱۶۳۔ فیض جبروت کے ہیں یہ دونوں | جن سے کھنچکر تو نیکی ہے کرتا
۱۶۴۔ اور اگر خطرہ "جاہ" کا آئے | کہ میں یوں کرتا یا میں یوں کرتا
۱۶۵۔ یا فلاں کو میں پگڑی پہنادوں | یا میں "سردار" اُسے بنا سکتا
۱۶۶۔ یا میں "تحقیق" میں بڑھوں آگے | یا بناؤں میں اک مکان اونچا
۱۶۷۔ میری جاں! خطرہ ہو یہ شیطانی | اژدہا ہے، یہ تجھ کو کھائیگا
۱۶۸۔ تیری مستی خمار سے بدلی | خطرہ آیا تجھے جو "کھانے" کا

(بقیہ فٹ) اور اگر گناہ کی طرف میلان ہے تو یہ "وسواس" ہے یہ شیطان کیطرف سے ہے۔ اور اگر بری بات دل آئے تو اگر صفات نفس (شہوت کبر وغیرہ) رغبت ہے تو "ہوا جس" ہے یہ نفس کیطرف سے ہے۔ بعضوں نے اور طرح فرق بیان کیا ہے۔ (تعلیم الدینؒ)۔ سراج کہتا ہے کہ شیخ نے خواطر کی اور طرح تقسیم کی ہے۔ ۱۲

۱۶۹۔ این کشاکش ز نفسِ بد کیش است — شترت را بدستِ اوست مہار
۱۷۰۔ از خطرہا اگر بروں آئی — نہ خزاں ماند و نہ فصلِ بہار
۱۷۱۔ از خطرہا معطّلے گردی — گرچہ ہستی ز جعفرِ طیار
۱۷۲۔ گر نماند دل فرشتہ فرت — مائلِ ہیچ یک ازیں ہر چار
۱۷۳۔ نام ایں منزل[1] تو اَو اَدنیٰ ست — ہست جائے شکیب و جائے قرار
۱۷۴۔ لیک اینجا ستادنت مشکل — بلکہ اینجا گزشتنت دشوار
۱۷۵۔ چیست توبہ؟ گزشتن از جملہ — چہ خدا و رسول و جنت و نار
۱۷۶۔ چیست تجرید؟ گشتنت آزاد — از ہزاراں ہزار یار و دیار
۱۷۷۔ پس ازاں از برادر و خواہر — پس ازاں از تمام خویش و تبار
۱۷۸۔ غم اینہا بہ ہیچ نوع مخور — گزر از جملہ و بہ حق بسپار
۱۷۹۔ زانکہ داریم ما ہمہ خود اُو — لطفِ او ہست بر ہمہ غمخوار
۱۸۰۔ ماہ و خرشید، زہرہ و برجیس — ابر و باران و بادِ آتش بار
۱۸۱۔ ہمہ بہر تو در مشقت و رنج — تو زبہر کہ می کشی آزار؟
۱۸۲۔ ہفت و چار اند حاکمِ ظاہر — باطنت ہست جملہ را سردار
۱۸۳۔ فرضِ یزداں گراں تر از کوہ است — کوہ بر گردنِ فرشتہ مدار

لے یعنی بندہ جب تہذیب نفس اچھی طرح کرلیتا ہے تو (باوجود اس عالم ناسوت میں رہنے کے) اسکا تعلق بہت کچھ عالم ملکوت بلکہ عالم لاہوت سے ہوجاتا ہے۔ اسکو عالم ملکوت سے اتنا قرب ہوجاتا ہے جیسے کوئی دو کمانیں ملاکر مٹھی میں پکڑے ہو بلکہ اس سے زیادہ قریب۔ قاب قوسین او ادنیٰ کے یہی معنی ہیں آیت سورۂ والنجم میں ہے مطلب ہے کہ نبی کا قرب عالم ملکوت (جس کے افسر حضرت جبرئیل ہیں) سے یا دوسری روایت ہے کہ نبی کا قرب لاہوت (ذات حق) سے اسقدر تھا جیسے دو کمانوں کا قرب۔ ٹے۔ اسے بھی مغلوب الحال صوفیہ کے متشابہات میں سے سمجھنا (دیکھو)

١٦٩۔ نفسِ سرکش یہ کھینچتا ہے تجھے — ہے نِکل اِسکے ہاتھ، بس تو کھنچا

١٧٠۔ تو جوان خطروں سے نکل آئے — پھر بہار اور خزاں سے ہو بالا

١٧١۔ تجھکو کردینگے خطرے یہ "پر فیض" — گرچہ طیار کا کبھی ہو بیٹا

١٧٢۔ تو جوان خطروں کیطرف نہ جُھکے — دل جو ہو اُن سے بے نیاز ترا

١٧٣۔ بس یہیں ہے قرار اور تسکیں — بس یہی ہے مقام "اَو اَدنیٰ"

١٧٤۔ لیکن اس مرحلہ پہ مشکل ہے — ٹھہرنا ہو کہ ہو پہونچ جانا

١٧٥۔ تو یہ صوفی کی سُن! "ہوتر کِ غیر" — خلد و دوزخ ہو یا نبی و خدا

تیرے باطن سے ہے جدا جو چیز — غیر ہے غیر گرچہ ہو وہ خدا

١٧٦۔ سب سے آزاد بن، یہ ہے "تجرید" — یار دوست اور وطن ہیں سب جھگڑا

١٧٧۔ ماں ہو یا باپ بھائی ہو کہ بہن — دور کا یا قریب کا ہو سگا

١٧٨۔ تو ذرا بھی نہ فکر کر ان کی — چھوڑ ان سب کو، کر سپرد خدا

١٧٩۔ کیونکہ ہم سب کا ہے وہی مالک — اپنا غمخوار بس ہے فضلِ خدا

١٨٠۔ مشتری، زہرہ، چاند اور سورج — اَبر اور مینہ اور یہ گرم ہوا

١٨١۔ سب تو تیرے لئے ہیں سرگرداں — پھر تو کس کے لئے ہے دیوانا؟

١٨٢۔ ساتوں تاروں میں چاروں عنصر میں — گو اثر ہے پران سے تو ہے بڑا

١٨٣۔ کیوں فرشتوں پہ لادے تو یہ پہاڑ — فرض حق کا جو ہے وہ خود ہی اٹھا

(بقیہ ص ٧٢) چاہیے۔ حدود کے اندر اسکا یہ مطلب ہے کہ بندہ کو ایک تو مقام عبدیت اور مقام شکر میں اسقدر راسخ ہونا چاہیے کہ عبادت خدا میں تقاضائے جنت کی طمع اور عذاب دوزخ کے خوف کو نہ آنے دے۔ طاعت میں رہ نہ جائے نہ وا نگیں کی لاگ بلکہ عبادت تو اسکی خالقیت، رزاقیت اور جلال و عظمت کا حق سمجھکر کرنا چاہیئے اور دوسرے مقام توحید میں اسقدر راسخ ہو کہ بقول حاجی صاحب "کہ انسان کا ظاہر عبد اور باطن حق) اپنی حقیقت اور اپنے باطن کو خدا سمجھے (چنانچہ شعر ع ١٤٢ میں شیخ نے بھی کہا ہے) اور اپنے باطن سے الگ والے خدا سے بھی بے تعلقی اختیار کرے اسلئے کہ باطن سے الگ والے خدا کا ماننا رسم ہی رسم ہے۔ حقیقی معرفت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ ١٢

۱۸۴- بعد تجرید بایدت تفرید — یعنی از آخرت شدن بیزار

۱۸۵- فارغ از دین و تارکِ دنیا — نہ کند فرقِ افسر و دستار

۱۸۶- دین و دنیا و دوزخ و فردوس — تو رہا کن بہ این خراں بگزار

۱۸۷- آنکہ زاینہا گزشت و گشت فقیر — مالِ اوراست دستِ دُزدِ حصار

۱۸۸- روئے بیگانہ کہ می نگری — آشنا وا نمایدت ہر بار

۱۸۹- وانکہ زاینہا گزشت و مخلص شد — مالِ اوراست برّ و بحر حصار

۱۹۰- صفتِ طبع را چو نفی کنی — روئے حق بینی از در و دیوار

۱۹۱- ذوق و شوقے چناں عیاں بینی — کہ شوی مثلِ من ز خود بیزار

حکایت

۱۹۲- یک شبے بایزید را در خواب — دید شخصے کہ بود از ابرار

۱۹۳- گفت اے شاہبازِ عالمِ قدس — والے توئی قدوۂ اولی الابصار

۱۹۴- بگو از سرگزشتِ اولِ شب — چہ شنیدی تو از زمین و یار

۱۹۵- گفت آمد ندا از عالمِ غیب — کہ چہ آوردۂ؟ بیا و بیار

۱۹۶- گفتم آوردہ ام گناہ کہ ہست — نامِ تو ہم غفور و ہم ستّار

۱۹۷- لیک از من نہ رفت در توحید — شرک اے کردگار لیل و نہار

۱۹۸- "اُذکُرُ وا لَیلَۃَ اللّبَن" فرمود — خوردہ بودی وز و شدہ بیزار

۱۹۹- خوردہ بودم مگر شبے شیرے — شکمم را گرفتہ بُد آزار

لہ تجرید و تفرید بھی صوفیہ کی اصطلاحات ہیں۔ تجرید سے مراد دنیوی تعلقات کا غلبہ تعلق حق کے سامنے مضمحل کر دینا۔ اور تفرید سے مراد اخلاص کو اتنا نتھارنا اور نکھارنا کہ اگر بالفرض خدا تعالیٰ کسی (دیکھو صفحہ

۱۸۴- بعد تجرید، سیکھ اب تفرید | یعنی عقبیٰ سے بھی تو ہاتھ اٹھا
۱۸۵- پگڑی اور تاج میں کرے کیوں فرق | دین و دنیا کو جس نے چھوڑ دیا
۱۸۶- دین و دنیا ہو، خلد و دوزخ ہو | چھوڑ کم ہمتوں کا یہ جھگڑا
۱۸۷- جو فقیر ان سبھوں سے درگزرے | چور بھی پاسباں بنے اسکا
۱۸۸- وہ بھی تیرا یگانہ ثابت ہو | جو نظر آئے تجھ کو بیگانا
۱۸۹- جو ہوا ان سب سے برتر اور مخلص | سب تری خشکی قلعہ ہے اسکا
۱۹۰- اپنی طبعی صفات چھوڑے اگر | بام و در سے تو حق کو دیکھے گا
۱۹۱- ذوق و شوق ایسا پھر ہو دلکو ترے | مثل میرے تو اپنے سے ہو خفا

حکایت

۱۹۲- کسی عابد نے خواب میں اک شب | حضرتِ بایزیدؒ کو دیکھا
۱۹۳- پوچھا اے پارسائی کے شہباز | اہلِ تقویٰ کے قبلہ و کعبا
۱۹۴- کہئے کیا گزری جب جواب کیوقت | بعدِ موت آپ پہونچے پیشِ خدا
۱۹۵- بولے آواز غیب سے آئی | آؤ دیکھیں تو ہم کہ لائے ہو کیا
۱۹۶- میں نے کی عرض لایا ہوں نہیں گنہ | نام تیرا غفور سنتا تھا
۱۹۷- تیری توحید میں مگر اے رب | کبھی شرک اور شک نہ میں نے کیا
۱۹۸- آئی آواز ہاں! وہ دودھ کی رات | یاد ہے! جب تو سخت برہم تھا
۱۹۹- قصہ یہ تھا کہ میں نے دودھ اک شب | کھایا جس سے شکم میں درد اٹھا

(بقیہ ۶۴) پاکباز کو بھی جہنم میں ڈالنا چاہیں تو انکی اس چاہت کو یہ سمجھے کہ ع- "یہ بھی اک ناز ہے تیرا نہ اٹھاؤں کیونکر"۔ نیز شعر ۶۵ اور اسکا حاشیہ بھی دیکھو۔

۲۰۰- گفتم امشب خلافِ عادتِ خویش — شیر خوردم ازاں شدم بیمار
۲۰۱- گفتم ایں بُد خلاف از توحید — فقنا ربنا عذاب النار
۲۰۲- ہرچہ مے او بنوشی و بخوری — زہر نیست آنچہ ہست نوش و گوار
۲۰۳- ہرچہ بے یاد او ببندو زہی — مار ہست ارچہ ہست مہرۂ مار
۲۰۴- شہد و شکر مثال باشد پاک — گرچہ دریادِ وے خوری مُردار
۲۰۵- چند خواہی چو شاخ گل بالید — کایں مرا دلبرست وآں دلدار
۲۰۶- زود باشد کہ بے مناقشۂ — بینی از خویشتن شدہ بیزار
۲۰۷- زور تو کُند کردہ ہمچو کماں — تو دہن باز ماندہ چوں سوفار
۲۰۸- چند ماضی و چند مستقبل — بذلہ سنجی کنی دلت بیزار
۲۰۹- جانِ من وقت[ل] را غنیمت داں — تا ابو الوقت خواندت احرار
۲۱۰- سال آئندہ را گزشتہ شمر — ہمچو پار ار سال و ہمچو پار
۲۱۱- آسماں و زمیں نشیب و فراز — از خبیثات و طیبات انگار
۲۱۲- خویشتن را بہ ایں ہمہ عالم — ق — مثل باد روان و خاک شمار
۲۱۳- انت عمیٰ عصائے تو وہم است — کہ ہمی رفتی از سر دیوار
۲۱۴- ورنہ ہنگامِ رفتن تو زمیں — زیر پا آیدت ہماں مقدار

ل- لغت میں تو وقت کے معنی ہیں زمانہ کا ایک حصہ چھوٹا ہو یا بڑا مگر صوفیہ کے یہاں یہ ایک خاص اصطلاح ہے بمعنی توفیق ربانی۔ نفحاتِ یزدانی۔ توجہاتِ رحمانی۔ اور چونکہ حق تعالیٰ کی نظر عنایت اور توجہ کسی حصۂ وقت کے اندر ہی ہوتی ہے اس لئے مجاز مرسل کے طور پر ظرف (وقت) بولتے ہیں اور مظروف (توفیق۔ عنایت۔ توجہ) مراد لیتے ہیں حدیث میں "ان للہ فی الدہر نفحات الا فتعرضوا لہا" اسلئے صوفیہ ان توجہات کی عزت اور ضیافت کرنے میں بہت کوشاں رہتے ہیں کہ وہی انکی (دیکھو)

۲۰۰۔ میں نے سوچا، خلاف معمول آج ۔۔۔ دودھ کھایا اسی سے روگ لگا
۲۰۱۔ میں نے کی عرض یہ ہی تھا تو یہ ترک ۔۔۔ اے خدا! آگ سے بس اب تو بچا
۲۰۲۔ یوں ہی جو کچھ تو کھائے حق کے بغیر ۔۔۔ زہر ہے زہر، گو ہو شہد اچھا
۲۰۳۔ بھول کر "حق" کو، جو سمیٹا ہو ۔۔۔ سانپ ہے گو ہو زہر کا مہرا
۲۰۴۔ یاد آئے "رکھ کے کھالے گر مُردار ۔۔۔ شہد ہے وہ حلال اور ستھرا
اک ولی نے علاج عُجب میں ے ۔۔۔ پینی چاہی، بنی وہ شہد صفا
عشق کے اور فنا کے دعوے کیساتھ ۔۔۔ آہ صوفی! یہ حال کیا ہے ترا

۲۰۵۔ یہ مرا دوست ہے "وہ" میرا یار ۔۔۔ کہہ کے کب تک تو گل سا پھولیگا
۲۰۶۔ جلد وہ دن بھی آئیگا کہ وہ دوست ۔۔۔ تجھ سے بیزار بے سبب ہو گا
۲۰۷۔ تجھے کر دیگا مثل قوس وہ پست ۔۔۔ مثل سوفار ہو گا منہ تیرا
۲۰۸۔ ماضی مستقبل اپنا سوچ کے تو ۔۔۔ کب تلک اپنا دل کڑھائیگا
۲۰۹۔ وقت کی قدر تو نے گر جانی ۔۔۔ پھر ابوالوقت ہے لقب تیرا
۲۱۰۔ سال آئندہ کو بھی گزرا جان ۔۔۔ تجھ نہ کر اعتبار آئندا
۲۱۱۔ یہ بلند آسماں، یہ پست زمیں ۔۔۔ کوئی گنبد ہو اسمیں یا ستھرا
۲۱۲۔ تو مگر اس جہاں میں خود کو ۔۔۔ یوں سمجھ جیسے خاک اور ہوا
۲۱۳۔ تو ہے اندھا، ترا عصا ہے یہ وہم ۔۔۔ تو جو دیوار پر چلا کہ گرا
۲۱۴۔ ورنہ چوڑان اسکی بس ہے تجھے ۔۔۔ اسی چوڑان میں ہے تو چلتا
یعنی یہ سوچکر تو ڈرتا ہے ۔۔۔ کسطرح سب سے کٹ کے ہو جینا

(بقیہ نوٹ) دولت ہے اسی لئے مبتدی صوفی کو ابن الوقت کہتے ہیں کہ جیسے بچہ ماں کی توجہ کا محتاج اور منتظر رہتا ہے یہ بھی اپنے رب کیطرف سے روحانی نشوونما کی غذا کے محتاج و منتظر رہتے ہیں پھر جو مدتوں اسکی عادت کرکے اسے اپنی طبیعت بنا لیتا ہے اسے "ابوالحال" کہتے ہیں واللہ اعلم۔ ۱۲ مترجم

دُعا

۱۱۵۔ ایکہ کردی تو نام من عاصی — رفتہ ام راہِ معصیت بسیار

۱۱۶۔ نامِ خود، بر صحیفۂ لاریب — خود رقم کردۂ اَنَا الغفّار

۱۱۷۔ کیسۂ من پُر از گناہاں ست — تو خریدار و اپسیں بازار

۱۱۸۔ ہرچہ داری ز جنس بخشائش — تو بہ ھَل مِن مَّزِیدِ لطف بیار

۱۱۹۔ ایں قصیدہ است، وحیٔ ہاتف غیب — طبع والا پسندِ آئینہ دار

تعلّی

۱۲۰۔ وحی چہ بود؟ ہر آنچہ در دلِ تو — سر زند از نتائجِ اسرار

۱۲۱۔ ہست الہام، ایں کہ خاطرِ تو — برود سوئے خیر از بدِ کار

۱۲۲۔ باز وسواس دیو ہست کہ تو — بروی سوئے بد ز نیک شعار

۱۲۳۔ ایں نہ شعر است بلکہ معجزہ ہست — گرچہ باشد بصورتِ اشعار

۱۲۴۔ ہمہ عشق است اندریں مصحف — ہمہ وصل است اندریں گفتار

۱۲۵۔ ہمہ شوق است اندریں صفحہ — ہمہ ذوق است اندریں طومار

۱۲۶۔ ایں کلام کلام مرداں است — نے کلامِ مخنثِ بازار

۱۲۷۔ قلم از راستی بدست آور — بر ورقہائے جان و دل بنگار

۱۲۸۔ رُوز و شب وِردِ خویش دار ایں را — تا دہد جا نت از ہمہ آزار

۱۲۹۔ لیک باید کہ کار فرمائی — ورنہ خوں خوردنِ دلم بہ چہ کار

۱۳۰۔ ایں قدر بس بود نصائح و پند — در سلوک از فریدِ دیں عطار

(بقیہ فٹ نوٹ) کہ جسکا وہ اصاف ہو گا وہی اسکی قدر کریگا۔ شیخ علیہ الرحمۃ یہاں اپنے اشعار کو معجزہ کہے جا رہے ہیں اور لطف یہ کہ حضور (بلکہ شاید تمام انبیاءؑ) کو شعر و شاعری کا ذوق نہ تھا۔ اسلئے احقر نے اسکو یوں متشرح کر دیا کہ اگرچہ یہ میرے اشعار ہیں مگر یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزۂ کلام اللہ ہی کا ایک پرتو ہے۔

دُعا

۱۱۵۔ تو نے اے رب کہا مجھے عاصی — میں بھی راہِ خطا پہ چلتا رہا

۱۱۶۔ اپنے قرآن میں مگر تو نے — انا غفار اپنا نام لکھا

۱۱۷۔ تھیلے بازار کا ہے تو گاہک — میرا تھیلا گناہ سے ہے بھرا

۱۱۸۔ نقد بخشش کا جتنا ہو ترے پاس — لطف سے "ھل مزید" کہکر لا

۱۱۹۔ وحی و علم لدنؔ ہے یہ نہیں شعر — تعلّی — حسن کی قدر جانے آئینا

۱۲۰۔ کیا ہے علم لدن؟ ترے دلمیں — راز کی قسم سے جو کچھ آیا

۱۲۱۔ اور الہام کہتے ہیں اس کو — کہ بدی سے خیال نیک آیا

۱۲۲۔ وسوسہ اسکو کہتے ہیں کہ اگر — نیکیاں چھوڑ کر بنے تو بُرا

۱۲۳۔ نبوی معجزہ کا ہے پرتو — گو بظاہر یہ ہے قصیدہ مِرا

۱۲۴۔ اس صحیفہ میں ہے سراسر عشق — ہیں تدابیر وصل سب گویا

ہیں یہ اوراق عشق و شوق سے پُر — ذوق ہی ذوق ہے کلام مِرا

۱۲۔ میری باتیں ہیں اولیا کا کلام — ایسی باتیں نہ کہہ سکے ہجڑا ✓

۔ جان و دل کے ورق پہ لکھ اسکو — ہاتھ میں لے قلم صداقت کا

۱۲۸۔ تو جو چاہے کہ ہو نجات تری — رات اور دن تو کرلے ورد اسکا

۱۲۹۔ ہاں مگر کام کر کہ کام آئے — کچھ تو میرا یہ خون دل کھانا

۱۳۰۔ ہے یہ پند فرید دیں عطّار
لے سراج آئینہ تصوف کا

[illegible]

لہ شیخ مغلوب، معذور میں مغ تر والے کو لازم ہے کہ وہ "وحی" کو اصطلاحی معنی ہی میں بولے۔ خفیہ و غیبی اشارہ کے لغوی معنوں میں بولے اس لئے میں نے وحی کیساتھ علم لدن لکھکر اسے معتدل کردیا ہے۔ دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہے دیکھو شعر

مطبوعہ اسرار کریمی پریس ۔ الہ آباد

ہماری مطبوعات

کتاب	مصنف
علم کی ضرورت	شاہ وصی اللہ
اندازے	فراق گورکھپوری
دوش و فردا	مجنوں گورکھپوری
ادب اور ادیب	ڈاکٹر اعجاز حسین
اقبال اور اس کا عہد	جگن ناتھ آزاد
ادبی جھلکیاں	صالحہ عابد حسین
حالی کا نظریۂ شعری	ناظر کاکوروی
تنقید اور تنقیدی شعور	ناظر کاکوروی
جائزے	ناظر کاکوروی
تعارف مرثیہ	شجاعت علی سندیلوی
ایشیائی بیداری اور اردو شعرا	اسلام بیگ چنگیزی
اردو سے ہندوؤں کا تعلق	اجمل اجملی
لوک گیت	اظہر علی فاروقی
ہندوستانی موسیقی	مفتی فخرالاسلام
تعلیم اور زندگی کی اہمیت	جے کرشنا موتی
میراں کے گیت	جے کرشن چودھری
عبدالرحیم خانخاں	جے کرشن چودھری
بھرتری ہری	جے کرشن چودھری
بادِ ایام	ضیاء الحسن علوی
گلِ نغمہ	فراق گورکھپوری
نوائے پریشان	جگن ناتھ آزاد
نروان	فاروق جنوں
شاعرِ آتش نوا	نذرالاسلام
قصیدۂ عطار	سراج الحق
چترلیکھا	بھگوتی چرن ورما
تیاگ پتر	جنیندر کمار
مانجھی	مانک بندوپادھیائے
ایک معمولی لڑکی	بلونت سنگھ
گناہوں کا دیوتا	ڈاکٹر دھرم ویر بھارتی
نومگے	صالحہ عابد حسین
نقشِ پائے صنم	کلیم عرفی
ظلماتِ شبِ غم	کلیم عرفی
زندگی	چودھری افضل حق
چاندنی اور انگارے	اسلام رونی
یوحنا	کلیم عرفی
سلومی	آسکر وائیلڈ
پکاسو اور رشا	اسلام ردفی
لارڈ ماونٹ بیٹن کی یادداشت	کیمپبیل

قائم شدہ ۱۹۲۶ء

الہ آباد لٹریری و کلچرل ایسوسی ایشن
الہ آباد

رجسٹرڈ انڈر ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۶۰ء

ہمارے اغراض و مقاصد

- ★ اُردو زبان و ادب کا ارتقا و استحکام ؛
- ★ ہندوستان کی دوسری زبانوں کے ادب پاروں کا اُردو میں ترجمہ اور اُن کی اشاعت ؛
- ★ اُردو کے ادبی شاہکاروں کا ہندوستان کی دیگر زبانوں میں ترجمہ اور اُن کی اِشاعت ؛
- ★ بالعموم اُردو کتابوں کی اشاعت ؛
- ★ اُردو ادب کے اُبھرتے ہوئے ہونہار فن کاروں کی حوصلہ افزائی ؛
- ★ عوام میں اُردو ادب کے مذاقِ عام کی ترویج ؛

اِدارہ انیس اُردو۔ الہ آباد ۳